مولانا احمد سعید

مرتبہ

محمد سعید

دینی بک ڈپو اردو بازار
دہلی

Sa'id, Ahmad

Mazamin

مضامین

مولانا احمد سعید

مرتبہ

محمد سعید

دینی بک ڈپو

دہلی

پہلا ایڈیشن ——— ایک ہزار

قیمت ——— ڈھائی روپے

۱۹۴۵ء

مطبوعہ

انصاری پریس دھلی

و

ہمدرد پریس دہلی

فہرست

چند اخبار

کچھ عرصہ سے خیال کر رہا تھا۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کے ان عالمانہ مضامین کو کتابی شکل دیدوں جو آپ نے مختلف اوقات میں اخبار الجمعیۃ وغیرہ کے لئے لکھے تھے

مجھے افسوس ہے اخبار الجمعیۃ کے بند ہونے اور اسکے فائل گم ہو جانے سے مجھے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ مسٹر ہلال احمد صاحب زبیری کا شکر گذار ہوں ان کی مہربانی سے مجھے اخبار الجمعیۃ اور انصاری کے چند فائل مل سکے۔

بہر کیف، چند اخبارات میں سے مجھے جتنے مضامین مل سکے ان کو مرتب کر کے میں کتابی شکل میں شائع کر رہا ہوں بعض بعض مضامین اخبار انصاری سے بھی لئے گئے ہیں۔

باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے پر بھی دو سو صفحات سے زائد کی کتاب شائع کر رہا ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ حضرت مولانا کے مضامین کا کافی ذخیرہ اخبار کی فائل گم ہو جانے سے ضائع ہو گیا۔

اگر مجھے مستقبل قریب میں اخبار کے فائل یا حضرت مولانا کے قلمی مضامین کے مسودے مل سکے تو انشاء اللہ مضامین کی دوسری جلد بھی شائع کروں گا۔

نیازمند
محمد سعید
۱۲ ۶/۷۵

پیش لفظ

مسٹر جلال احمد زبیری۔ ایم۔ اے، مالک اخبار "انصاری" دہلی

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب مدفیوضہم کے یہ مضامین جو ایک مجموعہ کی صورت میں "دینی بک ڈپو" اردو بازار دہلی کی طرف سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو میں نے اُسی وقت پڑھے تھے جبکہ یہ لکھے گئے تھے۔ اور نہ صرف پڑھے تھے، بلکہ "الجمعیۃ" اور "انصاری" میں شائع بھی کیے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس مجموعۂ مضامین کا پیش لفظ لکھنے کیلئے مجھ سے کہا گیا ہے۔

حضرت مولانا کی ذات گرامی کو اب تمام ہندوستان ایک خوش بیان واعظ بحیثیت سیاسی مقرر، اور پایۂ مصنف کی حیثیتوں میں اچھی طرح جانتا ہے۔ اپنا ملک کے اندر گذشتہ پچاس سال کی مذہبی و سیاسی تاریخ کو بنانے میں مولانا کا زبردست حصہ رہا ہے۔ اُن ہزارہا تقریروں کے علاوہ جو مولانا نے سیاسی پلیٹ فارم اور منبر سے کی ہیں۔ مولانا کے صدہا مضامین بھی اخبارات و رسائل اور کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور آج بھی انتہائی علالت طبع اور ضعف و اضمحلال کے باوجود مولانا کا تمام وقت قرآن حکیم کا ایک ایسا ترجمہ مرتب کرنے پر صرف ہو رہا ہے، جو زبان کے اعتبار سے موجودہ دور کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ غرض مولانا کی تمام زندگی وعظ و تلقین اور تالیف و تصنیف میں گذری ہے۔ جس طرح مولانا کی تقریریں سلاست بیان اور لطافت زبان کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اسی طرح مولانا کی تحریریں ان خصوصیات کی بدرجۂ اتم حامل ہے۔ جس مضمون کو بیان کرتے ہیں بہت سلجھا کر اور صاف طریقہ پر بیان کرتے ہیں۔ زبان کی شگفتگی و موزونیت ہر صورت میں برقرار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کے مضامین

بڑے شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں، ایسے مذہبی مباحث جن کو پرانی کتابوں میں پڑھنے
طرز تحریر کے مطابق دیکھ کر طبیعت اُلجھتی ہے مولانا کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر آنے کے بعد
نہایت دلچسپ ہو جاتے ہیں، مجھے ایک صحافی کی حیثیت سے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہے کہ
جن دنوں مولانا کے مضامین اخبار میں شائع ہوتے رہے ہیں، اخبار کی اشاعت خود بخود بغیر
کسی دفتری جد و جہد کے بڑھ گئی ہے۔ میرے نزدیک یہ واقعات مولانا کے طرز تحریر کی عام مقبولیت کا بین
ثبوت ہے ــــ آج سے آٹھ سال قبل جب میں نے "انصاری" جاری کیا ہے تو مولانا نے میری
درخواست پر ایک سلسلہ مضامین خاص طور پر "انصاری" کیلئے لکھنا شروع کیا تھا جس کا موضوع "اسلام میں
عورت کا مرتبہ" تھا۔ اس زمانہ میں مولانا بہت مصروف تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی نظامت عالیہ
کے سلسلہ میں تمام ہندوستان کے دورے کرنا اور جب دہلی واپس آنا تو دن رات میں تقریباً اٹھارہ گھنٹے
دفتر جمعیۃ علماء میں بیٹھ کر خط و کتابت، پروپیگنڈا، ملاقاتوں اور مشوروں میں اپنا تمام وقت صرف
کرنا، مولانا کے معمولات میں داخل تھا، اس مصروفیت کے عالم میں مولانا ہر تیسرے روز اس
مضمون کی ایک طویل قسط انصاری کیلئے دیا کرتے تھے، اور مجھے تعجب ہوتا تھا کہ مولانا اس قسم
کے مختلف النوع مشاغل میں اتنا وقت کیسے نکال لیتے ہیں کہ دماغ کو اس طرف متوجہ کر کے
پہلے کتابیں پڑھیں ان سے مضامین اخذ کریں اور پھر انہیں اپنی عام پسند زبان میں خاص تشبیہوں
اور اچھوتی تمثیلوں کے ساتھ پیش کر دیں۔ مولانا نے اس مضمون کی بہت سی قسطیں اس طرح سفر و
حضر میں لکھیں اور وہ شائع ہوتی رہیں ــــ مگر افسوس ہے کہ مولانا کی بڑھتی ہوئی مصروفیتوں نے
جو سیاسی حالات کے منقلب ہو جانے سے پیدا ہوئیں۔ مولانا کو بالآخر مجبور کر دیا کہ وہ اس سلسلہ
کو ملتوی کر دیں۔ یہ مضمون ابھی تک غیر مختتم ہے اور اسی طرح اس مجموعہ میں بھی شائع ہو رہا ہے اگر
"مہتمم دینی بکڈپو" نے کوشش کی اور مولانا کی صحت بھی کچھ بحال ہو گئی تو بہت ممکن ہے کہ آئندہ ایڈیشن
میں یہ کمی پوری ہو جائے ــــ مجھے یہ معلوم ہے کہ مولانا کے اور بھی بہت سے مضامین ایسے ہیں جنہیں جمع
کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس سلسلہ کی دوسری جلد بھی تلاش کرنے کے بعد مرتب
کر لی گئی تو اس طرح بکھرے ہوئے جواہر ریزے محفوظ ہو جائینگے۔ اور آئندہ نسلوں کیلئے وہ ہدایت بن
سکیں گے۔ دینی بکڈپو کو اپنا یہ کام برابر جاری رکھنا چاہیئے۔

"ہلال احمد زبیری۔ ایم اے"

ماہِ شعبان
اور
اسراف

جس طرح اسراف کی مذمت اور اس کی بُرائی سے ہر ایک مسلمان واقف ہے اسی طرح ماہ شعبان کی فضیلت اور اس کی بزرگی سے بھی کم و بیش ہر مسلمان واقف ہے۔ شاید ہی کوئی سال ایسا ہوگا کہ الجمعیۃ نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہ لکھا ہو۔ جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ مختلف عنوانات سے ابتک شعبان اور شبِ برات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اُسکو اگر جمع کیا جائے تو ایک کتاب طبع ہو سکتی ہے۔

آتش بازی۔ الجمعیۃ نے اگر ایک طرف مسلمانوں کو ماہ شعبان کی فضیلت سے مطلع کیا ہے، تو دوسری طرف اُن بدعات و منہیات سے بھی آگاہ کیا ہے جن میں بدقسمتی سے مسلمان مبتلا ہیں بالخصوص آتشبازی کی رسم تو ایسی مذموم ہے کہ جس کی خرابی اور بُرائی سے کسی عقلمند کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کوئی اخلاقی مسئلہ نہیں ہے جسکو خواہ مخواہ کی مُو شگافیوں سے طوالت دی جائے یا اسپر کسی نئی بحث کا دروازہ کھولا جائے کون نہیں جانتا کہ ہر سال ہزاروں بے گناہ اس موذی اور مُہلک کھیل کے

کے پیچھے اپنی زندگیاں تباہ کر لیتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ چند دن میں آگ کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ ایک مفلس قوم محض اپنی جہالت اور بیوقوفی کے ہاتھوں روپیہ اور زندگی کے بدلے جہنم خرید رہی ہے۔

فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين

گناہ میں کمی اور زیادتی

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ گناہ پر زمان اور مکان کا خاص اثر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گناہ دہلی کے کسی بازار میں کیا جائے۔ اور یہی گناہ مسجد حرام میں کیا جائے یا معاذ اللہ مسجد نبوی میں کیا جائے۔ اسی طرح ایک گناہ کسی معمولی مہینہ میں کیا جائے۔ اور پھر یہی گناہ عرفہ کے دن کیا جائے، اور پھر یہی گناہ شہر رمضان میں کیا جائے۔ اگرچہ گناہ ایک ہی ہے۔ لیکن اس وجہ سے کہ وہ کسی مقدس مقام یا کسی مقدس مہینہ میں کیا گیا ہے۔ اس کی سزا سخت اور عقوبت دردناک ہے۔ یہ ایک ایسا کلیہ ہے کہ اس پر تو کسی ذی علم کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس کو دلائل سے ثابت کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

والحمد للہ علی ذالک

اتنی بات معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ شراب کو بازار میں پینا اور مسجد میں پینا، اور معمولی دنوں میں پینا، اور رمضان میں پینا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں عام طور سے فسق و فجور میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک فاسق و فاجر بھی اس کا احساس کرتا ہے کہ رمضان شریف کا احترام کیا جائے۔ اور اس محترم مہینے میں گناہ سے اجتناب کیا جائے۔

اس تمہید کے بعد آج کے مضمون میں مجھے صرف دو باتیں عرض کرنی ہیں۔
اوّل یہ کہ ماہ شعبان کو دوسرے مہینوں پر کوئی خاص امتیاز حاصل ہے یا نہیں اور اس مہینہ کی پندرھویں شب کو دوسری راتوں پر کوئی خاص شرف ثابت ہے یا نہیں۔

دوم یہ کہ آتشبازی کی رسم مردود و مذموم ہے یا نہیں اور اسراف حضرت حق کی عدم محبت اور دخول نار کا موجب ہے یا نہیں۔ اگر یہ دونوں مقدمات ناظرین کی سمجھ میں آ گئے تو میری گذارش کا مطلب سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔　　وما توفیقی الا باللہ

پہلا مقدمہ

شعبان کی بزرگی اور فضیلت کے متعلق جو کچھ آج تک لکھا گیا ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس بحث کی ضرورت ہے کہ اس باب میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ ضعیف ہیں یا شیخین کی شرط پر نہیں ہیں اور نہ اس امر پر بحث کرنا مقصود ہے کہ لیلۃ برات یا لیلۃ المبارکۃ سے مراد شب قدر ہے جو رمضان میں آتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں کسی طویل بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس الجمعیۃ کے گذشتہ فائل موجود ہوں تو وہ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ فضائل اعمال میں احادیث کی اسناد تنقید ضروری نہیں ہے۔ پھر احادیث بھی اس کثرت سے وارد ہیں۔ جو یقوی بعضہ بعضاً کی مصداق ہے۔ اس لئے اس بحث میں مبتلا ہو کر تضیع اوقات کی ضرورت نہیں، اگر وقت نے مساعدت کی تو انشاءاللہ پھر کسی موقع پر مفصل عرض کیا جائے گا۔ شعبان کے مہینہ میں سب سے

بڑی خصوصیت تو یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں بکثرت روزے رکھتے تھے اور شعبان کو رمضان سے ملا دیا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ اس مہینے کی بزرگی سے ناواقف ہیں یہ مہینہ رجب اور شہر رمضان کے مابین ہے۔ اس مہینے میں لوگوں کی موت اور رزق لکھا جاتا ہے۔ اس مہینے میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میری خواہش یہ ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہو رہے ہوں تو میں روزے جیسی عبادت کے ساتھ متصف ہوں اسی طرح پندرہویں شب میں حضور کا امت کے لئے استغفار کرنا اور بقیع میں تشریف لے جانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تلاش کرنا اور حضور کا یہ فرمانا کہ مجھ سے جبرئیل نے آکر کہا کہ آج کی رات سونے کی نہیں ہے اس شب میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اور تمام گنہگاروں کو بخش دیا جاتا ہے۔ آج کی رات اللہ تعالیٰ قبیلہ کلب کی بھیڑ بکریوں کے بالوں کی تعداد کے موافق لوگوں کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ البتہ ماں باپ کا نافرمان، اور شراب کا عادی نہیں بخشا جاتا، اور وہ شخص بھی نہیں بخشے جاتے جو دلوں میں کینہ رکھتے ہیں۔ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں۔ جن میں کم و بیش یہی الفاظ ہیں۔ اور ایک روایت دوسری روایت کے لئے موجب تقویت ہے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں شب کو عبادت کرنے اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان تمام احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کرنے سے حسب ذیل خصوصیات ثابت ہوتی ہیں حضور کا اس مہینہ میں بکثرت روزے رکھنا اس مہینہ میں رمضان کے حصول کی دعا کرنا اس

مہینہ کی پندرہویں شب میں حضرت حق جل مجدہٗ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا اور گناہگاروں کو بکثرت بخشنا آیندہ سال کے لئے بندوں کے رزق و موت اور دیگر امور کو متعین فرمانا۔ آیندہ سال کے لئے اس قسم کے امور کا فرشتوں کو اجمالی علم ہونا۔ اس مہینے کی پندرہویں شب میں عبادت کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شب میں مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جانا۔ قبرستان میں جاکر امّت کی مغفرت کے لئے دعا کرنا۔ بقیع سے واپس آکر حجرۂ مبارک میں طویل نماز پڑھنا۔ اس مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہینے کے لئے یہ فرمانا کہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک مہینہ ہے جس کی عظمت سے اکثر لوگ ناواقف ہیں یہ تمام امور جن کا خلاصہ میں نے عرض کیا ہے۔ اس امر پر دال ہیں کہ ماہ شعبان کی حالت دوسرے مہینوں کی مانند نہیں ہے بلکہ دوسرے مہینوں سے اس مہینہ کو ایک خاص امتیاز اور عظمت حاصل ہے۔

رمضان المبارک اور ذی الحجہ کے علاوہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماہ شعبان کو باقی مہینوں پر خاص شرف و عظمت حاصل ہے۔ اور اس مہینہ میں کسی گناہ کی وہ حیثیت ہرگز نہیں ہے۔ جو دوسرے مہینوں میں ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ یہ امر پہلے ہی ثابت ہے کہ کسی مقدس مقام یا کسی مقدس مہینہ میں جرم کرنا اس سے بہت زیادہ سخت ہے جو کسی عام مقام یا سادے دنوں میں کیا جائے۔

دوسرا مقدمہ

ماہ شعبان اور اس کی پندرہویں شب میں جو خصوصیات مذکور

ہوئی ہیں۔ اس کے بعد صرف اس امر کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان اعمال پر بحث کی جائے جن کا ارتکاب عوام مسلمان اس مقدس مہینہ میں کرتے ہیں۔ ان اعمال میں سب سے قبیح رسم جو آج کے مضمون میں زیر بحث ہے۔ وہ آتشبازی کی رسم ہے۔ آج تک اس سلسلہ میں بیشمار مضمون اور پوسٹر شائع ہو چکے ہیں۔ عام طور سے اس قبیح اور مہلک رسم کی مذمت میں قرآن شریف کی آیت ہ:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ الخ

سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تبذیر اور اسراف کی مذمت میں یہ آیت نہایت صاف اور واضح ہے۔ اس سے بڑھ کر مبذرین کی مذمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کو شیاطین کا بھائی کہا گیا۔ اور پھر شیاطین کو لفظ کفور یعنی نافرمان سے روشناس کیا گیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مبذرین کمنت ناسپاس اور نافرمان ہیں ناسپاسی بالکل ظاہر ہے۔ مال و دولت حضرت حق جل مجدہ کی ایک نعمت ہے جس کا مقتضی یہ تھا کہ بندہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتا اور اس دولت کو ایسے مصارف میں خرچ کرتا جو حضرت حق کی رضامندی کے موجب ہوتے۔ لیکن جو شخص اپنی دولت کو شریعت کے خلاف امور میں خرچ کرے۔ اور فسق و فجور میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو برباد کرے تو اس سے بڑھکر محسن کشی اور ناسپاسی کیا ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے اس آیت میں مبذرین کو ناسپاس اور کافر کہا گیا ہے۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں ایک اور عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کا لہجہ اس سے زیادہ ترش اور غضب آمیز ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

ہم فضول خرچی اور بے موقع خرچ کرنے والوں سے محبت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ دونوں آیتوں کے عنوان اگرچہ مختلف ہیں۔ لیکن دونوں کو ملا کر دیکھئے کہ مسرفین و مبذرین سے کس طرح بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس محبت کی نفی وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جن کو کبھی حسن و عشق کے مصائب سے دوچار ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ ظاہری عنوان اگرچہ نرم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نہ شیطان کا لفظ ہے اور نہ کافر کا صرف عدم محبت کا اظہار ہے لیکن مسرفین کی اس سے بڑھکر کیا بد قسمتی ہو سکتی ہے کہ اُن سے قطع محبت کا اعلان کیا جائے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ وہ ناقابلِ برداشت دھمکی ہے کہ جس کا تحمل ایک صادق مسلمان کے لئے ناممکن ہے۔ عشق مجازی اور حسن فانی کے افسانوں میں ہم نے بارہا سنا ہے کہ بیچارا عاشق بیطالب سب کچھ سننے کو تیار ہو سکتا ہے۔ تمام کڑوی کسیلی باتیں سُنی جا سکتی ہیں۔ گالیاں بلکہ مار پیٹ بھی ایک عاشق کے لئے سہل ہے۔ لیکن یہ سُننا گوارا نہیں کہ اَب تم سے ہمارا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں رہا۔ جب دُنیاوی محبت اور عشق کی یہ حالت ہے تو خدارا غور کرو کسی نالائق بندے سے حضرت حق کا یہ فرمانا اگر فضول خرچی سے باز نہیں آسے تو پھر ہماری محبت سے ہاتھ دھو لو۔ کس قدر دردناک اور خوفناک ہے پوچھو ان سے جو ان پر مرمٹے ہیں پوچھو ان سے جو ان کی محبت کو جنت کے عوض خریدنے کو تیار ہیں۔ ان سے دریافت کرو جن کا یہ قول مشہور ہے۔

لو كانت السقر نصيب العاشقين مع وصاله فواشوقاه

ولو كانت الجنة نصيب المشتاقين بدون جماله فواويلاه

پوچھو ان سے جو سب کچھ سُننے کو تیار ہیں۔ لیکن محبت کی نفی ان کے لئے

ناقابل برداشت ہے بنی اسرائیل کی آیت میں خفگی سہی غصّہ سہی شیاطین کا بھائی اور کافر سہی لیکن تعلقات محبت و آشتی کا انقطاع اُس میں نہیں ہے سورہ اعراف کی آیت میں اختصار ہے۔ الفاظ بہت کم ہیں لیکن جو کچھ کہا گیا ہے وہ اتنا خوفناک ہے کہ اسکے مقابلہ میں موت بلکہ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ بھی آسان ہے وہ دوزخ ایک عاشق کو سہل ہے جس میں مہربانی اور ملاطفت کی شعاعیں موجود ہوں اور وہ جنت ناقابل برداشت ہے جس میں خفگی ناراضگی اور عدم محبت کا مظاہرہ کیا جارہا ہو۔ اس خفگی اور حرماں نصیبی کے بعد بھی بدقسمت آتشبازوں کیلئے کوئی گنجائش ہے کہ وہ اپنے دین و دُنیا کو تباہ کریں شیطان بنیں کافر بنیں اور خدا کی محبت سے تہی دامن ہو جائیں۔

عدم محبّت کی بحث

اس موقع پر بیجا نہ ہوگا۔ اگر مسرفین کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی تذکرہ کر دیا جائے جو عدم محبت کی وعید میں ان بدقسمتوں کے ساتھ شریک کر دیئے گئے ہیں۔ مضمون ضرور طویل ہو جائیگا لیکن جب ایک چیز سامنے آگئی ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ وہ تمام طبقات مسلمانوں کے سامنے آجائیں۔ جن کے متعلق حضرت حق جل مجدہٗ نے عدم محبّت کا اعلان کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے انتہائی عجلت میں اس معاملہ پر غور کیا ہے۔ لیکن پھر بھی کلام اللہ سے حسب ذیل مواقع تلاش کر کے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو

سیقول پارہ ۲۔ سورہ بقرہ "ان اللہ لایحب المعتدین"

(یعنی جو لوگ تمہارے ساتھ جنگ کریں انہی سے تم بھی جنگ کرو)

(خواہ مخواہ ہر کسی کافر کو قتل نہ کرو)
اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنیوالوں کے ساتھ محبت نہیں کرتے۔ اسی پارہ میں حق سبحانہٗ کا دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

(واللہ لا یحب الفساد)

(اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے)

تلک الرسل پارہ ۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

'ان اللہ لا یحب کل کفار اثیم'

(اللہ تعالیٰ کسی نافرمان گنہگار سے محبت نہیں کرتا)

اسی پارہ میں سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ان اللہ لا یحب الکافرین

'اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا'

اسی پارہ میں اور اسی سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

'واللہ لا یحب الظالمین'

(اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا)

والمحصنٰت پارہ ۵ سورۂ نساء میں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

'ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبّت نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوئے شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔ (بخل کے عادی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہو وہ اس کو چھپاتے ہوں۔ پھر اسی پارہ میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا اَثِيمًا ه

(اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو خائن اور گنہگار ہو)

پھر چھٹے پارہ کی ابتدا میں فرماتے ہیں:۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَن ظُلِمَ

(اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کا اعلان کیا جائے۔ مگر ہاں مظلوم کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ظلم کا ظلم بیان کر سکتا ہے۔)

اسی پارہ کے اخیر میں فرماتے ہیں:۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ

(اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا)

ولو اننا پارہ ۸ میں وہی آیت ہے۔ جو اس مضمون میں زیر بحث ہے

اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ا

پھر اسی پارہ کے آخری حصہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

واعلموا پارہ ۱۰ سورہ انفال میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ

اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

امن خلق پارہ ۲۰ سورہ قصص کے آخری حصہ میں قارون کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ه

(اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے کو دوست نہیں رکھتے۔)

پھر اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

(انّ اللہ لا یحب المفسدین)

اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اُتل ما اوحی پارہ ۲۱ سورہ روم میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان اللہ لا یحب الکفرین

خدا تعالیٰ نافرمانوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسی پارہ کی سورۂ لقمان میں فرماتے ہیں:۔

ان اللہ لا یحب کل مختال فخور

بے شک اللہ تعالیٰ کسی متکبر بے جا فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

الیہ یرد پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اللہ لا یحب الظّلمین

اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

قال فما خطبکم۔ پارہ ۲۷ سورہ حدید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

واللہ لا یحب کل مُختَالٍ فَخُور

(اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتے)

ان تمام آیتوں کے ذکر کرنے میں میں نے پوری احتیاط کی ہے لیکن ممکن ہے کہ شاید کوئی اور آیت رہ گئی ہو۔ میرا خیال تھا کہ ان تمام کا ربط بیان کر دینا بھی بہت مناسب تھا۔ مثلاً ان تمام ما بہ الاشتراک وجہ پر بھی روشنی ڈال دی جاتی۔ او [illegible]

ان سب لوگوں میں (جن سے حضرت [illegible]

انکار کیا! باہمی کیا مناسبت ہے۔ لیکن فقط اس اندیشہ سے کہ مضمون طویل ہو جائے گا۔ اسوقت اس بحث کو ترک کرتا ہوں انشاء اللہ کسی آئندہ فرصت میں صرف اسی مسئلہ پر چند سطور قلم بند کرونگا۔ اگر ان بدقسمت اور حرماں نصیب گروہ کے ساتھ ان حضرات کا بھی تذکرہ کر دیا جاتا کہ جن سے جناب باری عز اسمہ نے اپنی دوستی اور محبّت کا اظہار کیا ہے۔

مثلاً ان اللہ یحب المقسطین

تو شاید اس مضمون کی تکمیل ہو جاتی اور ناظرین دونوں طبقوں کو بآسانی سمجھ لیتے اور تعرف الاشیاء باضدادھا کے اصول پر اس طبقہ کی حالت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی۔ لیکن وقتیہ عدم مساعدت کثرت افکار و مضمون کی طوالت کا اندیشہ اسی کے لئے مقتضی ہیں کہ مضمون کو تشنہ چھوڑتے ہوئے ناظرین الجمعیتہ سے معذرت کی جائے اور بشرط زندگی کسی دوسری صحبت کے لئے وعدہ کیا جائے۔

آخری تنبیہ

آج کے مضمون میں قرآن کی آیتوں سے اسراف اور تبذیر کی مذمت پر استدلال کیا گیا ہے ایک بنی اسرائیل کی آیت جس میں مبذرین کو شیاطین کا بھائی کہا گیا ہے۔ اور دوسری سورہ اعراف کی آیت جس میں حضرت حق سبحانہ نے ان کی محبت کے انکار کا اعلان فرمایا ہے۔ ان آیتوں کے علاوہ آپ کو تعجب ہوگا کہ فرعون جیسے شخص کو بھی مسرفین میں شمار کیا گیا ہے۔

وانہ لمن المسرفین

اب مطلب یہ ہوا کہ مسرفین نہ صرف شیطان کے

بھائی ہیں بلکہ فرعون کے بھی ساتھی ہیں۔ فرعون اور آل فرعون کا انجام جو کچھ ہوا اس سے بھی شاید کوئی مسلمان بے خبر نہ ہوگا۔

سورہ مومن میں جہاں ان لوگوں کے انجام کا تذکرہ ہے وہاں فرماتے ہیں:

وان المسرفین هم اصحاب النار

مسرفین سب کے سب اہل جہنم ہیں۔

اس کھلی ہوئی وعید کے بعد اس بدقسمت گروہ کے پاس کونسی حجت ہے جس کی پناہ لیکر آتشبازی کے اسراف کو جائز سمجھتا ہے۔

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ پہلے مقدمہ سے ماہ شعبان کی فضیلت اور دوسرے مقدمہ سے آتشبازی کا موجب اسراف ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔
اسراف جیسی حرام چیز اور وہ بھی ماہ شعبان جیسے بزرگ مہینہ میں اسراف جیسا مذموم اور ناجائز فعل اور وہ بھی شعبان کی پندرھویں شب میں جبکہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا پر متوجہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ دوزخ سے آزاد فرمانے کا قصد کرتے ہوں اور ہم گنہگار ٹھیک اسی وقت آگ کا کھیل کھیل رہے ہوں اور آسمان کی جانب آگ اُچھال رہے ہوں۔

والی اللہ المشتکی

(یہ مضمون ۱۹۳۱ء میں آپنے گجرات جیل میں لکھا تھا)

روضۂ اطہر کے سامنے

عرض نیاز

سرکار مدینہ کی بارگاہ میں

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا خیر من دفنت
بالقاع اعظمہ فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ العفاف وفیہ الجود
والکرم الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

میرے مولا! میرے آقا حضور کا ایک گنہگار امتی دور و دراز کا سفر کر کے خدمت میں حاضر ہوا ہے۔

اے کونین کے بادشاہ آپ کو کچھ اپنی بیکس اُمت کی بھی خبر ہے۔ اے نوید خلیل و مسیح جس دین کی خاطر آپ نے ہزارہا مصائب برداشت کئے اپنے اور بیگانوں سے بُرائی اُٹھائی۔ لوگوں کی گالیاں سُنیں۔ پتھر کھائے۔ زخم اُٹھائے۔ راتوں کی نیند اور دن کی بھوک کھوئی۔ جس دین کے لئے آپ جلا وطن کئے گئے۔ آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو بے خانماں کیا گیا وہ آپ کا دین اور اس کے نام لیوا دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ اے دین و دُنیا کے مالک آج تیری اُمت کی آبرو سخت خطرہ میں ہے۔

مسلمان ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہیں ۔ زمین اپنی وسعت و پنہائی کے باوجود ان پر تنگ ہے ۔ یورپ، ایشیا، اور افریقہ کے کسی کونہ میں بھی ان کے رہنے کو جگہ نہیں ہے ۔ دُنیا کے تمام کافروں نے تیری بیکس اور مظلوم اُمت کے مٹانے کے لئے ایکا کر لیا ہے ۔ بُت پرستوں نے قسم کھائی ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کو دنیا سے مٹا کر چھوڑیں گے ۔ صلیب پرستوں نے عہد کیا ہے کہ وہ عالم سے تیری پھیلائی ہوئی توحید کو مٹا دیں گے ۔ اے دین و دُنیا کے مالک تجھے کچھ خبر بھی ہے ۔ جس درخت کو تو نے اور تیرے صحابہ نے اپنے خون سے سرسبز کیا تھا ۔ دشمن اسکو جڑ سے اُکھیڑنے کی فکر کر رہے ہیں ۔ مسجدوں کو بُت خانہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ اور اذان و اقامت کے میناروں پر گھنٹے اور ناقوس بجانے کی فکر ہے جن ممالک کو تیرے نام لینے والوں نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا جس زمین پر پرستاران توحید کی برسوں سے اذانیں گونجی تھیں ۔ آج وہ غیروں کے قبضہ میں ہے ۔ آج وہاں شرک و کفر کی علی الاعلان اشاعت ہو رہی ہے ۔ اغثنی یا رسول اللہ ہم بیکس ہیں لاچار ہیں ۔ دُنیا کے اتنے بڑے رقبہ میں ہماری حالت وہی ہے جو تیرے نواسہ مسلم بن عقیل کی کوفہ میں تھی ہم بیکسوں کا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار نہ ہمارا کوئی حامی ہے ۔ نہ غمگسار یا رسول اللہ ہم اپنا درد کسے سنائیں ۔ اپنی فریاد کہاں لیجائیں ۔ اے تاجدار مدینہ جن زمینوں کو ہم نے غلامی سے آزاد کرایا تھا ۔ آج ہم خود وہاں غلام ہیں ۔ آپ پر آپ کے قرآن پر آپ کے خدا پر شب و روز علی الاعلان طعن و تشنیع کئے جاتے ہیں ۔ پھبتیاں اُڑائی جاتی ہیں ۔ خود آپ کے نام لیوا آپ کے دین کو نقصان پہچانے کے درپے ہیں ۔ مسلمانوں کے پاس نہ حکومت ہے نہ صنعت نہ تجارت ہے ۔ نہ امارت اور نہ باہمی

اخوت یورپ سے نکالے گئے۔ افریقہ سے بے دخل کئے گئے۔ عراق و فلسطین جا چکے۔ ہندوستان چھن گیا۔

اب اے میرے مولا! خاکم بدہن دشمنوں کی نظریں آپ کی خوابگاہ پر پڑ رہی ہیں۔ اعدا کا اثر حجاز پر پہونچ چکا ہے۔ ریگستان کے بدو آہستہ آہستہ یورپین تہذیب پر قربان ہو رہے ہیں۔ حجاز مقدس کی حدود اور اسکی چاردیواری تک دشمنوں کی توپیں پہونچ چکی ہیں۔

حضور والا اگر یہی لیل و نہار ہے، اور سرکار کی شان استغنا، اسی طرح قائم ہے، تو آخر کیا ہوگا۔ یہ مسلم کہ گنہگار ہیں۔ یہ مانا کہ ہم نالائق ہیں یہ بھی تسلیم کہ ہم میں نہ صدیق کا سا حلم ہے، اور نہ فاروق جیسی شوکت اور نہ عثمان جیسی سخاوت ہے، اور نہ علی و خالد کی سی شجاعت ابو ہریرہ اور ابوذر جیسا عمل بھی نہیں، بلالی محبت بھی مفقود ہو چکی ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا وہ ہماری ہی غفلت کا نتیجہ تھا۔ جو دین ہم حجاز سے لیکر نکلے تھے۔ اس کی حفاظت ہم سے نہ ہو سکی۔ ہم تیرے دین کو نذر برہمن کر بیٹھے۔ تیرہ سو برس کی کمائی ہماری ہی نالائقی سے لٹ گئی یہ سب کچھ ہم نے کیا، اور ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ ہمارے سردار ہم قصور وار خطاوار ہیں۔ یہ سب کچھ ہے، لیکن آخر تیرے ہیں اور تیرے دین کے نام لیوا ہیں۔ ہمیں غیروں کے سامنے رسوا نہ کر دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔

اے ہمارے آقا ہماری ذلت کی انتہا ہو چکی۔ اس سے زیادہ ہمکو ذلیل نہ ہونے دے۔ کفار ہم پر ہنستے ہیں۔ ہمیں طعنے دیتے ہیں۔ ہماری جان، ہماری اولاد، ہمارے ایمان کے درپے ہیں۔

اے سردار دو جہاں! اے پیشوائے کونین و مکان! آخر یہ بے نیازی کبتک کس چیز کا انتظار ہے، کس وقت کے منتظر ہیں، کونسی بات باقی ہے۔ منزل

کا آخری دور ہے۔ اُٹھئے خدا کیلئے اُٹھئے اپنی اُمت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دیجئے۔ میرے آقا اُٹھئے فاطمہؑ کا واسطہ اُٹھئے، اور ایک دفعہ نگاہ رحمت آلود سے اپنی اُمت کے گنہگاروں کو دیکھ لیجئے۔ اُٹھئے شہیدانِ کربلا کا واسطہ اُٹھئے اور اپنی بزدل اُمت کو پھر ایک دفعہ دین پر مٹنے کی تعلیم دیدیجئے۔ آپ کی اُمت سخت اضطراب و بے چینی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ حضور والا اگر کچھ عرصہ خبر نہ لی گئی تو دُنیا میں مسلم قوم کا خاتمہ ہو جائیگا۔ توحید الٰہی کی بجائے صرف کفر و شرک ہی کی حکومت ہو گی۔ اس لئے اُٹھئے اور ہم بدنصیبوں کو ایک دفعہ دیکھ لیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی ایک نگاہ ہی سب کچھ ہے اگر آپ نے ہماری درخواست قبول کر لی تو اس مُرجھائے ہوئے درخت میں دوبارہ بہار آجائے گی۔ آپ کی ایک نگاہ کرم ہی گنہگاروں کا بیڑہ پار ہوتا ہے۔ اس لئے اُٹھئے خدا کے پیارے اُٹھئے، اور فقیروں کی جھولیاں بھر دیجئے۔ عاشق دامنِ مُراد پھیلائے کھڑے ہیں، انہیں مایوس نہ کیجئے۔ بہت سی سعید جانیں آپ پر سے قربان ہونے کو تڑپ رہی ہیں۔ اور بہت سی سعادت مند روحیں اپنی قربانی کا تحفہ اپنے دامن میں لئے ہوئے باب السلام پر آپکی منتظر ہیں۔ بہت سے مشتاق باب رحمت اور باب جبرئیل پر اپنے دل مٹھیوں میں لئے بیٹھے ہیں، اور آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے بدنصیب مسلمان آہ بدقسمت، اور دُور افتادہ مسلمانوں نے اپنی آنکھوں کا فرش بچھا رکھا ہے۔ اسلئے اُٹھئے، بلال حبشیؓ کا صدقہ اُٹھئے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کی روتی ہوئی آنکھوں کی تڑپتی ہوئی روحوں کی لاج رکھ لیجئے۔

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آلہ

۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ میں (جبکہ دوسرے دن رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔) جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا جس میں رمضان کے فضائل اور روزے کی فضیلت پر مفصل بحث فرمائی۔ اور صحابہ کو پورے طریقہ سے رمضان شریف کے استقبال پر آمادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

ایها الناس قد اظلکم شهر عظیم شهر مُبارك فیه لیلة القدر خیر من الف شهر جعل الله تعالیٰ صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواه ومن ادی فریضة کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواه وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة وهو شهر المواساة وهو شهر یزاد فیه رزق المؤمن۔ من فطر فیه صائما کان له عتق رقبة ومغفرة للذنوبه۔

قلنا یا رسول اللہ لیس کلنا یجد ما یفطر به الصائم قال یعطی الله هذا الثواب من یفطر صائما علی مذقة لبن او شربة ماء او تمرة ومن اشبع صائما کان له مغفرة لذنوبه وسقاه ربه من حوضی شربة لا یظما بعدها ابدا وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شئ وهو شهر اوله

رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ اعتقہ اللہ من النار فاستکثروا فیہ من اربع خصال خصلتین ترضون بہا ربکم وخصلتین لاغنی لکم عنہما اما الخصلتان ترضون بہما ربکم فشہادۃ ان لا الہ الا اللہ وتستغفرونہ واما الخصلتان اللتان لاغنی لکم عنہما تسئلون ربکم الجنۃ وتتعوذون بہ من النار

حضور روحی فداہ کے تمام وعظ کا خلاصہ یہ ہے

اے لوگو! خدا کا ایک بزرگ اور مبارک مہینہ جو گوناگوں خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ تم پر بہت جلد سایہ فگن ہونیوالا ہے۔ اس مہینے میں ایک رات ہی ایسی مرتبہ والی ہے۔ جس میں عبادت کرنا۔ ایک ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کر دیئے ہیں۔ لیکن رات کا جاگنا اور عبادت کرنا بجائے فرض کے مستحب رکھا ہے۔ لیکن اس مہینے کا مستحب بھی ثواب میں دوسرے مہینوں کے فرض کے ہی مانند ہے۔ اور اس مہینے کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ثواب کی مثل ہے۔ یہ مہینہ صبر اور ضبطِ نفس کا مہینہ ہے۔ صبر کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔ اس مہینے میں خاص طور پر باہمی رواداری اور ایک دوسرے کی غمخواری کرنی چاہیئے۔ اس مہینے میں مسلمانوں کے رزق اور ان کی روزی میں زیادتی کر دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کا روزہ کھلوا دے تو اسکو ایک غلام آزاد کرانیکا ثواب بھی ملتا ہے اور تمام گناہ بھی معاف کر دیئے جاتے ہیں حاضرین میں سے یہ آخری فقرہ سنکر بعض لوگوں نے درخواست کی، یا رسول اللہ

ہماری غربت تو حضور کو معلوم ہے۔ اپنے ہی اہل و عیال کی گذر کرنا مشکل ہے کسی روزہ دار کو کھانا کیونکر کھلا سکتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا" اگر ایک دودھ کا گھونٹ یا ایک چلو پانی یا کھجور کا ٹکڑا بھی کسی روزہ دار کو دے دیا۔ تو بھی یہی ثواب ہے۔ اور اگر کسی نے روزہ کھلوا کر کھانا بھی کھلا دیا۔ تو نہ صرف تمام گناہوں کی مغفرت بلکہ قیامت میں میرے حوض سے پانی کی سیرابی کا وعدہ بھی، اور حوض کوثر کا پانی جس نے ایک دفعہ قیامت میں پی لیا۔ تو اسکو کبھی بھی پیاس کی تکلیف نہ دیجائیگی، اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ یعنی روزہ کھولنے والے کا ثواب بدون کم ہوئے روزہ کھلوانے والے کو ایک، اور روزہ کا ثواب مل جائیگا۔ اس مہینے کے پہلے دس دن رحمت اور دوسرے دس دن میں مغفرت، اور تیسری دہائی میں دوزخ سے آزادی دیجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں اپنے ماتحتوں سے کام لینے میں نرمی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکے آقا کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔

اے لوگو! چار باتوں کا اس مہینے میں بہت خیال رکھا کرو۔ دو باتیں تو وہ ہیں، جن کے باعث تم اپنے رب کو راضی کر لوگے۔ اور دو باتیں ایسی ہیں جو تم کو ضروری ہی کرنی چاہئیں۔ جنکے بغیر تم کو چارہ نہیں۔

پہلی دو باتیں جن سے خدائے تعالیٰ کو راضی کر سکو گے۔ ان میں سے ایک تو استغفار ہے، اور دوسری کلمہ توحید کی شہادت ہے۔ اور جو دو باتیں تمہارے لئے ضروری ہیں۔ وہ خدا سے جنت طلب کرنا۔ اور دوزخ سے پناہ مانگنا۔ جب تک یہ دونوں باتیں حاصل نہ ہو جائیں، ایک مسلمان کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔

۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء

روزہ ایک صوفی کی نظر میں

بعض احباب نے میرے ایک وعظ کے بعض حصوں کی اشاعت پر اصرار کیا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ممبر اور اخبار میں بڑا فرق ہے۔ لیکن مجبوراً چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ اگر خواص نے اس کو پسند کیا تو آیندہ بھی اس قسم کی چیزیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ میں اپنی تقریر کی طرح تحریر کو بھی سہل کرنیکی کوشش کرونگا۔ لیکن اگر عوام کو کوئی دلچسپی نہ ہو تو مجھے معاف فرمائیں کہ اس سے زیادہ وضاحت کم از کم میرے امکان سے خارج ہے۔

یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ روزے کا وقت صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔ اس وقت میں کھانا پینا۔ اور عورتوں کی قربت حرام ہے۔ بظاہر ان چیزوں کے ترک میں کوئی عبادت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا۔ بلکہ خدا کی نعمتوں سے ایک قسم کا اعراض ظاہر ہوتا ہے۔ کھانا موجود ہے۔ اور بھوک بھی ہے۔ پانی موجود ہے اور پیاس بھی ہے۔ قوتِ شہوانی کے ازالہ کی صورت موجود ہے۔ حلال بیوی پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ لیکن ہم نہ کھلتے ہیں۔ نہ پیتے ہیں۔ نہ اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان انعاماتِ الٰہی کو ترک کر کے خدا کی قربت حاصل کرنیکی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ یہ شُبہ اگرچہ بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت حق جل علاٗ کی صفات پر نظر ڈالیئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ کھانے سے پاک، پینے سے پاک، اور جورو سے منزہ ہے۔ ان صفات کو سمجھنے کے بعد خواہ مخواہ ایک روزہ دار کی حالت کے متعلق ذہن منتقل ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کا اصل مقصد

اس امر سے بھی تمام مسلمان آگاہ ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندے کا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے۔ ہم خدا سے محبت کریں۔ اور خدا ہم سے محبت کرے۔ ہم اسے دوست سمجھیں اور وہ ہمکو دوست بنائے۔ ہم اس کے ہوں اور وہ ہمارا ہو جائے۔ اس کے ماسواء مخلوق پر ہماری نظر نہ ہو۔ اور وہ بھی تمام مخلوق میں ہماری محبت کا اعتراف کرے۔ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔

جب یہ چیز صاف ہو گئی۔ اور ایک مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کا منشا معلوم ہو گیا۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو چیزوں کے باہمی تعلق میں کوئی مشارکت ہونی چاہیئے۔ ایک طرف خاکی پتلا ہے۔ جو اگرچہ خلق اور امر کا مجموعہ ہے۔ لیکن جملہ عیوب میں ملوث۔ اس کا وجود ہی اس کیلئے ایک کبیرہ گناہ ہے۔

اکل و شرب بول و براز۔ جسمیت جوہریت و عرضیت، امکان وفنا، غرض کوئی ایک عیب ہو جس کا شمار کیا جائے۔ دوسری طرف وجوب ہے، بقا ہے۔ جملہ عیوب سے۔ تنزیہہ ہے کہ وہاں کسی قسم کا شائبہ نقص بھی کفر ہے۔ اس قسم کی دو ہستیوں کا باہمی تعلق کیونکر ممکن ہے؟ اب یا تو وجوب کو امکان کی طرف مائل کیا جائے اور یا امکان کو وجوب کی جانب بلند کیا جائے۔ پہلی صورت تو یقیناً محال ہے۔ واجب الوجود کا امکانی صفات سے متصف ہونا یقیناً حرام ہے۔ خدا کا خدائی کے مرتبے سے نیچے آنا۔ اس کا کون بیوقوف

قائل ہو سکتا ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ امکان کو واجب بالغیر بنایا جائے۔ اور بندے کو بعض خدائی صفات سے متصف بنا کہ خدا سے قربت کرتے ہوئے ایک مناسبت پیدا کی جائے۔ امکان کو وجوب کی چادر اوڑھا دینا واجب کی عادت ہے۔ ایک انسان کی ذلت کو عزت سے، اور فنا کو بقا سے، احتیاج کو اختیار سے بدل دینا مولائے ذوالجلال کا عام کرم ہے۔ جو خاص بندوں سے گزر کر عام اہل جنت کو بھی عطا ہو گا۔ چنانچہ جنتیوں کے وصف میں فرمایا گیا ہے۔ "لهم فيها ما يشاؤن ولكم فيها ما تشتهي الانفس" حالانکہ يفعل ما يشاء اور اذا اراد شيئاً ان يقول له كن فيكون، واجب کی صفت ہے اور سنیئے۔ اہل جنت کے نام دعوتی خط کا مضمون پڑھیئے۔

دعوتی خط کا مضمون

بسم الله الرحمن الرحيم

من الحي الذي لا يموت الى العبد الذي صار حيا لا يموت من العزيز الذي لا يذل الى العبد الذي صار عزيزا لا يذل من الغني الذي لا يفتقر الى العبد الذي صار غنيا لا يفتقر يا عبدي زرني فاني مشتاق اليك"

یہ وہی وجوب کا لباس ہے۔ جس سے ممکن کو نوازا گیا ہے۔ پس امکان کو بلند کر کے وجوب تک لیجایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ ہم کھانے سے پاک ہیں۔ تو بھی کھانا چھوڑ دے۔ ہم پینے سے پاک ہیں۔ تو بھی پینا

چھوڑ دے۔ ہم بیوی سے پاک ہیں، تو بھی چند گھنٹوں کے لئے بیوی سے علیحدہ ہو جا۔ تاکہ مجھ میں اور تجھ میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے۔ جو تعلق قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ پس روزہ کیا ہے۔ الٰہی صفات سے متصف ہونے کا نام ہے۔ بندے کو خدائی صفات کا رنگ دیدیا گیا ہے۔ تاکہ خدا سے محبت کے تعلقات قائم ہونے میں دشواری باقی نہ رہے۔

شبہ کا اندفاع

یہ شبہ نہ کیا جائے۔ کہ خدا تو بندے سے بالکل قریب ہے۔ جب کوئی پکارے تو فوراً جواب ملتا ہے۔ جب دوری نہیں ہے۔ تو پھر اس تبدیلی کی ضرورت ہی کیا ہے۔

یہاں قرب و بعد کی بحث نہیں ہے۔ بلکہ دو چیزوں میں محبت قائم کرنے کے لئے باہمی ارتباط اور مناسبت کی ضرورت ہے۔ جواب تو ہر ایک کو ملتا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ صورت بدل کر صفات میں تبدیلی کیجائے اور وجوب کی چادر میں لپٹ کر واجب الوجود کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ تاکہ ایک منتظر ہستی اس ممکن کو وجوب کی گود میں بٹھا کر گلے لگائے اور اپنی نہ فنا ہونیوالی محبت آمیز گفتگو سے فرمائے:۔

ذٰلک بان اللّٰہ مولی الذین اٰمنوا وان الکافرین لامولیٰ لھم

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی

پس روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک غلام جس کو بادشاہ اپنے قرب میں بٹھانے کا آرزومند ہے۔ لیکن غلام بن کر غلام سے قریب ہوتا۔

آداب شاہی کے خلاف ہے، اس لیئے غلام کو شاہی لباس عطا کر دیا گیا ہے۔ تاکہ دربار ملوکیت میں لذتِ قرب سے متمتع ہو سکے۔

ایک اور توجیہ

ہر حسین اور خوبصورت میں ایک فطرتی جذبہ ہے کہ وہ اپنے حسن کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ آئینہ کی ایجاد اسی فطری جذبہ کا نتیجہ ہے۔ جب وہ حسن جو فنا ہونیوالا ہے۔ وہ خوب رُوئی جو مٹنے والی ہے۔ اپنے اندر ایک فطری جذبہ رکھتی ہے۔ تو قدرت جو اپنے اندر بیشمار صفات رکھتی ہے۔ خالق کائنات جو ہر بھلے نام سے متصف ہو سکتا ہے۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ وہ ذات جو ہر آن میں ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ کل یوم ھو فی شان ۔ کیونکر یہ نہ چاہتی کہ اپنے حسن کو خود ہی دیکھے۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے کائنات کا ہر ذرہ دست بستہ بڑھا۔ وہ کیا ہے۔ جو ان کی صفت کا مظہر نہیں ہے۔ عالم کون کی ہر چیز نے آئینہ بننے کی درخواست کی، لیکن قدرت کی دوربین نظر نے اپنی مخلوق میں سے اسی چیز کو اختیار کیا جسے ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ کے معزز خطاب سے ازل ہی میں سرفراز فرما چکی تھی۔

اسلیئے ارشاد ہوا۔ بندے ہماری نقل اُتار۔ اس آئینہ میں ہمارے عکس کو حاصل کرنے کے لئے کھانا پینا وغیرہ ترک کر دے تاکہ جب ہمیں اپنے دیکھنے کا شوق ہو تو رمضان کے مہینے اور روزے کی حالت میں تجھ کو دیکھ لیا کریں۔ ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

من چو مراۃ ویم حسن از جمالش بردہ ام

جز جمالِ او نہ بینم مثالِ خویشتن
آئینہ مغرور حسنِ خویشتن ہر گہ شد
بلکہ مے بیند جمالش در جمالِ خویشتن

اگر کوئی صاحب ذوق چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا روزہ دار بندہ اگر حقیقتِ منتظرہ کے دیکھنے کا شائق ہو تو آئینہ میں خود ہی اپنی صورت دیکھ لے۔ اور فرحۃ عند لقائہٖ کے حقیقی جلوہ سے بہرہ اندوز ہو۔

۲۶ مارچ ۱۹۳۷ء

شعبان کی ۱۵ پندرہویں شب

اس میں شک نہیں کہ دُنیا کی مختلف قومیں باہمی اختلاط و اتحاد کے باعث ایک دوسرے کی تہذیب و تمدّن کو قبول کر لیتی ہیں۔ موجودہ تہذیب میں بھی باوجود اس کے کہ ہر قوم اپنے تمدّن اور کلچر کے تحفظ کی دعویدار ہے۔ ایک ملک کی مختلف قومیں ایک دوسرے کی تہذیب کو اختیار کر لیتی ہیں۔ اور بعض دفعہ ایک قوم دوسری قوم کی تہذیب اور اس کے تمدّن کو اتنا اپنا لیتی ہے کہ یہ پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے

ہے کہ اس قوم کا اصلی تمدن کیا ہے۔

سیاسی اقتدار

عام طریقہ سے یہ تغیرات سیاسی اقتدار کے مرہون منت ہوا کرتے ہیں۔ جب ایک قوم دوسری قوم پر حاکمانہ اختیارات اور شاہانہ اقتدار کے ساتھ حکمراں ہوتی ہے تو اپنی تہذیب اور تمدن کو بھی محکوم قوم پر مسلط کر دیتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ تسلط جبر و اکراہ کے ساتھ کیا جائے، بلکہ انسانی طبیعت ہی اس وضع پر مخلوق ہوئی ہے کہ بلا وجہ ذی اقتدار قوم کے تمدن کو پسند کرتی ہے۔ آجکل انگریز کسی ہندوستانی کو ہیٹ لگانے یا کوٹ پتلون پہننے پر مجبور نہیں کرتے، لیکن پھر بھی فیصدی پچیس ہندوستانی، انگریزی فیشن کے دلدادہ اور متوالے ہیں۔ اس تعداد ہی پر بس نہیں۔ بلکہ ان دلدادگانِ فیشن کی تعداد روز افزوں نظر آتی ہے۔ اور یہی غالباً الناسُ علیٰ دین ملوکھم کا مطلب ہے۔

ہر چند کہ قومی تہذیب کے تغیر میں سیاسی اقتدار کو بڑا دخل ہے لیکن باہمی اختلاط اور ارتباط کے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج مسلمانوں میں صدہا بدعات و خرافات اس طرح رائج ہیں کہ بعض جاہل ان کو اسلام کا جزو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں اس کا وجود بھی نہیں۔ شادی، غمی کی رسومات و منکرات صدہا میلے اور تہوار مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں اس طرح داخل ہو گئے ہیں کہ غیر تو غیر خود مسلمان ان کو مذہبی چیزیں خیال کرتے ہیں۔ اور ان منکرات کی اس طرح پابندی کرتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ان کو سمجھانے اور ان رسومات سے باز رکھنے کی کوشش کرے تو اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان رسوماتِ

قبیحہ کو جاہلوں نے ایسا اپنا لیا ہے کہ آج اسلام اور مسلمانوں کے گھروں سے انکا نکالنا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسا ناخن کو گوشت سے جدا کرنا۔ منجملہ ان رسومات منکرہ کے جن میں آجکل مسلمان اپنی اقتصادی حالت کو تباہ کر رہے ہیں۔ شب برات کی بھی بعض رسوم ہیں۔ جو بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آتش پرستوں اور ہندوؤں کے تیوہاروں سے ان میں داخل ہو گئی ہیں۔

شعبان کی فضیلت

اگر ایک طرف جاہل مسلمان اپنی جہالت کے باعث ان رسومات قبیحہ کے پورے پابند ہیں تو دوسری طرف بعض ایسے بھی حضرات ہیں جو ان تمام بدعات اور امور منکرہ سے متنفر ہیں۔ بلکہ وہ ہر مذہبی چیز کو اسلام کے اصلی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہ معلوم کرنے کے متلاشی رہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ کیا ہے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ ایسے اصحاب کیلئے جو حقیقتاً بدعات اور اسراف سے بچکر مذہب کی صحیح اور سیدھی اور سادی راہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اور ماہ شعبان اور اس کی پندرھویں شب کو اسلامی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کیلئے کتب احادیث سے ہم ذیل کی حدیثیں جمع کر دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس مختصر مقالے میں احادیث کی حیثیت پر بحث کرنا مشکل ہے، لیکن اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ شعبان کی فضیلت اور پندرھویں شب کی خصوصیت کے بارے میں کسی صحیح حدیث سے استدلال کرنا مشکل ہے۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تمام طرق کو جمع کرنے کے بعد ان احادیث کو حسن کا مرتبہ حاصل ہو سکتا

ہے۔ اور محدثین کے نزدیک فضائل اعمال میں توسع بھی ہے۔ اس لئے جہاں تک کسی نیک عمل کرنے کا تعلق ہے، یہ تمام احادیث جو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں، کافی ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کو بدعات و اعمال سیئہ سے بچائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

شعبان کے متعلق احادیث

(۱) شعبان بین رجب و شہر رمضان یغفل الناس عنہ یرفع فیہ اعمال العباد فاحبّ ان لا یرفع عملی الّا وانا صائم (بیہقی)

شعبان کا مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک مہینہ ہے جس کی فضیلت سے لوگ بے خبر ہیں۔ اس مہینہ میں بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش کئے جائیں کہ میرا شمار روزہ داروں میں ہو۔

(۲) شعبان شہری و رمضان شہر اللّٰہ (دیلمی)

شعبان میرا مہینہ ہے، اور رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔

(۳) حضرت انس کی روایت میں ہے:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلّغنا رمضان (ابن عساکر)

رجب کا چاند دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ رجب اور شعبان میں ہم کو برکت عطا فرما، اور ہم کو خیریت کے ساتھ رمضان تک پہنچا دے۔

(۴) کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصوم حتّٰی نقول لا یفطر ویفطر حتّٰی نقول لا یصوم وما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

علیہ وسلم استکمل صیام شہر قط الا رمضان وما رأیت فی شہر اکثر منہ صیاماً فی شہر شعبان ہ (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب آپ نفلی روزے رکھنے شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا اب روزے ترک نہیں فرماویں گے، اور جب روزے چھوڑ دیتے تھے، تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب آپ رکھیں گے ہی نہیں، جس مہینے میں آپ کو پورے روزے رکھتے دیکھا وہ شعبان ہے۔

(۵) ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر اکثر صیاما منہ فی شعبان کان یصومہ الا قلیلا بل کان یصومہ کلہ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے کسی مہینے سوائے شعبان کے مہینے میں آپ کو بکثرت روزے رکھتے نہیں دیکھا شعبان کو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ پورے مہینے ہی کے روزے رکھا کرتے تھے۔

(۶) کان أحبّ الشہور الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصومہ شعبان ثم یصلہ برمضان (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت پسند تھی کہ شعبان کے روزے رکھتے۔ شعبان کو رمضان سے ملا دیا جائے۔

(۷) لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرا اکثر من شعبان فانہ کان یصوم شعبان کلہ وکان یقول خذوا من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے شعبان کے کسی دوسرے مہینے میں بکثرت روزے نہیں رکھتے تھے۔ شعبان کے متعلق تو یہ کہنا چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اور لوگوں سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ عمل اپنی استطاعت اور طاقت کے موافق کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے عاجز نہیں ہے بلکہ تم

عمل کی کثرت سے تھک جاؤ گے۔

(۸) ما رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرین متتابعین الا شعبان و رمضان (ترمذی)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ سوائے رمضان اور شعبان کے دوسرے مہینہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم متواتر روزے نہیں رکھا کرتے تھے۔

(۹) لم یکن النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصوم من السنۃ شہرا تاما الا شعبان کان یصلہ برمضان۔ (نسائی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام سال میں سوائے شعبان کے کسی اور مہینے کے پورے روزے نہیں رکھا کرتے تھے۔ البتہ شعبان کے روزوں کو رمضان سے ملا دیا کرتے تھے۔

(۱۰) حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں ارشاد فرمایا۔

ذلک شہر یغفل الناس عنہ بین رجب و رمضان وھو شہر یرفع فیہ الاعمال الی رب العلمین فاحب ان یرفع عملی وانا صائم (نسائی)

یہ شعبان ایک مہینہ ایسا ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لوگ اس مہینے کی فضیلت سے غافل ہیں۔ اس مہینے میں اللہ رب العالمین کے روبرو بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں میری خواہش یہ ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو۔

(۱۱) حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے! حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ یکتب فیہ کل نفس میتۃ تلک السنۃ فاحب ان

أیا تنسخ اجلی وانا صائم۔

اللہ تعالیٰ اس مہینے میں سال بھر کے مرنے والوں کو معین فرماتا ہے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میری موت کا سال اور وقت معین کیا جائے تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو

(۱۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

لانہ تنسخ ارواح الاحیاء فی الاموات حتیٰ ان الرجل یتزوج وقد وقع اسمہ فیمن یموت وان الرجل یحج وقد وقع اسمہ فیمن یموت ۔

مرنے والوں کا نام زندوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ آدمی نکاح کرتا ہے۔ اور اس کا نام مردوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ انسان حج کو جاتا ہے اور اُس کا نام اُن مردوں کے دفتر میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۱۳) حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے:۔

ان امرأۃ ذکرت لہا انہا تصوم رجب فقالت ان کنت صائمۃ شہرا لا محالۃ فعلیک بشعبان فانہ فیہ الفضل

ایک عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ رجب میں روزے بہت رکھتی ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا اگر اس عورت کو نفلی روزے رکھنے ہی ہیں تو پھر شعبان میں رکھا کرے۔ کیونکہ شعبان کو ایک قسم کی فضیلت حاصل ہے۔

(۱۴) حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے:۔

انہ لیس نفس تموت فی سنۃ الا کتب اجلہا فی شعبان فاحب ان یکتب اجلی وانا فی عبادۃ ربی وعمل صالح۔

کوئی شخص جو آیندہ سال میں مرنے والا ہے۔ اس کا نام شعبان کے

مہینے میں معین ہو جاتا ہے اور وہ زندوں کی فہرست سے علیحدہ کر کے مُردوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب میری اجل کا وقت معین ہو رہا ہو تو میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوں۔

(۱۵) ایک اور روایت میں ہے:۔

انہ یکتب فیہ لملک الموت من یقبض فاحب ان لا ینسخ اسمی الا و انا صائم۔

اس مہینے میں ان لوگوں کے نام ملک الموت کو لکھوا دیئے جاتے ہیں، جو سال بھر میں مرنے والے ہوتے ہیں۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ جب میرا نام ملک الموت لکھ رہے ہوں تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو۔

پندرہویں شب

(۱۶) عطا بن یسار سے روایت ہے:۔

اذا کان لیلۃ النصف من شعبان رفع الی ملک الموت صحیفۃ فان العبد لیغرس الغراس وینکح الازواج ویبنی البنیان وان اسمہ قد نسخ فی الموتی ۰

شعبان کی پندرہویں شب کو ملک الموت کے سامنے ایک رجسٹر پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور اُن کو حکم دیا جاتا ہے کہ پورے سال میں مرنے والوں کے نام اس رجسٹر میں سے نقل کر لو۔

آدمی کھیتی باڑی کرتا ہے، نکاح کرتا ہے، مکان بنواتا ہے، اور حال یہ ہے کہ اس کا نام مُردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

۱۷ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے:۔

تقطع الآجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد له وقد خرج اسمه فی الموتی۔

شعبان سے شعبان تک مرنے والوں کے نام مُردوں کی فہرست میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔ انسان نکاح کرتا ہے۔ اس کے ہاں اولاد ہوتی ہے۔ مگر اس کا نام مُردوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۱۸) حضرت عکرمہ کی تفسیر میں ہے :۔

یبرم امر السنة وینسخ الاحیاء ویکتب الحاج فلا یزاد فیھم احد ولا ینتقص منھم احدٌ

سال بھر ہونے والے واقعات لکھ دیئے جاتے ہیں، پیدا ہونے والے حج کرنے والے وغیرہ پھر ان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی

(۱۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے :۔

ینزل اللہ تعالیٰ الی السماء الدنیا لیلة النصف من شعبان فیغفر لکل مسئی الا رجل مشرك او فی قلبه شحناء (بیہقی)

اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب کو آسمان دُنیا پر نزول فرماتا ہے، اور ہر گنہگار کی مغفرت کر دیتا ہے۔ مگر مشرک کو نہیں بخشتا اور ان شخصوں کو بھی نہیں بخشتا۔ جن کے دل میں کینہ اور عداوت اور ایک دوسرے سے دشمنی ہوتی ہے۔

(۲۰) حضرت علی کی روایت میں ہے :۔

اذا کان لیلة نصف الشعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا فان اللہ تعالیٰ ینزل فیھا لغروب الشمس الی السماء الدنیا فیقول الا من مستغفر فاغفر له الا من مسترزق فارزقه الا من مبتلی فاعافیه الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر۔ (ابن ماجہ۔ بیہقی)

جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو، اس رات میں عبادت کیا کرو۔ اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھا کرو۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت سے آسمان دُنیا پر اپنی رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے۔ اور یوں ارشاد فرماتا ہے۔ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو اس کو بخش دوں۔ کوئی رزق مانگنے والا ہو؟ تو اُس کو رزق سے مالا مال کر دوں۔ کوئی بیمار ہو تو اُس کو صحت عطا کر دوں۔ غرض اسی طرح ایک ایک ضرورتمند کو صبح صادق تک پکارتے رہتے ہیں۔

(۲۱) حضرت علی پندرھویں شب کو باہر تشریف لائے، اور بار بار آتے رہے اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے رہے اور پھر فرمایا حضرت داؤد بھی اس رات کو باہر نکل کر آسمان کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے۔

ان هذه الساعة مادعا الله فيها احدٌ الا اجابهٗ ولا استغفر احد في هٰذه الليلة الا غفر لهٗ مالم يكن عشارًا او ساحرًا او كاهنًا او عريفًا او شرطيًا او جابيًا او صاحب كوبةٍ او عرطبة۔

یہ ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو دُعا مانگو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ دعا کرنے والا ٹیکس وصول کنندہ نہ ہو، جادوگر نہ ہو، نجومی اور غیب کی باتیں بتانے والا نہ ہو۔ جلاد اور ظلم کے ساتھ مال وصول کرنے والا نہ ہو۔ قمار باز اور گا بجا کر روزی کمانے والا نہ ہو۔

(۲۲) ان الله تعالىٰ ليطلع في ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه الا لمشرك او مشاحن او قاطع رحم

اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب میں بندوں کی جانب رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے، اور تمام گنہگاروں کو بخش دیتا ہے۔ مگر مشرک کینہ پرور اور گود پیٹ کے رشتوں کو منقطع کرنے والا نہیں بخشا جاتا۔

(۲۳) یفتح اللہ الخیر فی اربع اللیال لیلۃ الاضحی والفطر و لیلۃ النصف من شعبان ینسخ فیہ الآجال والارزاق و یکتب فیھا الحاج و فی لیلۃ العرفۃ الی الاذان۔

اللہ تعالیٰ چار راتوں میں بندوں پر خیر اور رحمت نازل کرتا ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں رات، عید کی رات، شعبان کی پندرھویں رات، اس رات میں لوگوں کی موت اور اُن کا رزق، اور حج کرنے والوں کی تعداد لکھی جاتی ہے" اور چوتھی عرفہ کی رات ہے۔ عرفہ کی رات میں صبح کی اذان تک بندوں کے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ ہوتا رہتا ہے۔

میرے پاس جبریل تشریف لائے اور انہوں نے کہا:۔

ھذہ لیلۃ النصف من شعبان و للہ فیہ عتقاء من النار بعدد شعر غنم کلب ۵

یہ شعبان کی پندرھویں رات ہے۔ اس میں قبیلہ کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر گنہگار دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں۔

(۲۴) حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ایک دن حضور کو نہیں پایا۔ میں آپ کو تلاش کرنے نکلی تو میں نے آپ کو بقیع میں دیکھا کہ آپ اپنا سر اُٹھائے ہوئے آسمان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فرمایا:۔

یا عائشۃ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک و رسولہ'

اے عائشہ کیا تجھکو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اللہ اور اُس کا رسول تیرے حق میں دست اندازی کرے گا۔

میں نے عرض کیا حضور میں نے یہ خیال کیا کہ آپ اپنی دوسری بیویوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ سرکار نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ عزوجل ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب ۔

اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب کو آسمانِ دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے ۔ اور قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گنہگاروں کو بخش دیتا ہے (کلب عرب کا ایک قبیلہ ہے، جس میں بکریاں اور بھیڑیں کثرت سے ہوتی ہیں)

(۲۵) اذا کان لیلۃ النصف من شعبان اطلع اللہ تعالیٰ الی خلقہ فیغفر للمومنین والمومنات ویملی للکافرین ویدع اہل الحقد لحقدھم حتی یدعوہ ۔

جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے اور مردوں اور عورتوں کی مغفرت کر دیتا ہے۔ کافروں کو مہلت دیتا ہے۔ کینہ پروروں کو چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک وہ اپنی کینہ پروری سے باز آئیں۔

۲۶۔ ابن قانع کی روایت میں ہے:۔

لا ینظر اللہ فیہا الی مشرک ولا الی مشاحن ولا الی قاطع رحم ولا الی مسبل ازار ولا الی عاق والدیہ ولا الی مدمن خمر ۔

اللہ تعالیٰ اس رات میں مشرک کو، اور، گود پیٹ کے رشتہ داروں کو منقطع کرنے والے کو، ماں باپ کے نافرمان کو، تکبر کی راہ سے، ٹخنوں سے نیچی ازار رکھنے والے، اور شراب کے عادی کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

۲۷۔ اذا کان اول لیلۃ من شعبان فیسخ لملک الموت کل من یقبض روحہ فی تلک السنۃ الی مثلہا من العام المقبل وان الرجل لینکح النساء ویولد لہ ویبنی ویغرس ویظلم ویفجر ومالہ اسم فی الاحیاء ۔

شعبان کی پہلی رات کو ہر اس شخص کا نام ملک الموت کو لکھوا دیا جاتا ہے جو آیندہ سال میں مرنے والا ہوتا ہے۔ انسان نکاح بھی کرتا ہے۔ اور کھیتی باڑی بھی کرتا ہے، اور اس کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے، فسق و فجور بھی کرتا ہے۔ غرض سب کچھ کرتا ہے، اور نام اُس کا مُردوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔

۲۸۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں اتفاقاً ایک دفعہ شعبان کی پندرھویں رات میری رات تھی۔ جب آدھی رات گذری تو میں نے حضور کو نہ پایا۔ میں آپ کو تلاش کرنے نکلی، اور عام طور سے جو عورتوں میں غیرت ہوتی ہے وہی غیرت مجھے بھی آئی میں نے اپنی چادر اُوڑھی اور سب بیویوں کی کوٹھریوں میں آپ کو تلاش کرتی پھری، جب حضور کو کہیں نہ پایا، تو مجبوراً لوٹ کر اپنے حجرے میں واپس آئی، تو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے کی طرح زمین پر سجدہ میں سر رکھے ہوئے فرما رہے ہیں۔

سَجَدَ لَكَ خَيَالِيْ وَسَوَادِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ فَهٰذِهٖ يَدَيَّ وَمَا جَنَيْتُ بِهَا عَلٰى نَفْسِيْ يَا عَظِيْمُ يُرْجٰى لِكُلِّ عَظِيْمٍ اِغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ سَجَدَ وَجْهِيَ الَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ۔

پھر آپ نے سجدے سے سر اُٹھایا اور دوبارہ سجدہ کیا دوسرے میں فرمایا۔

اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَقُوْلُ كَمَا قَالَ دَاوٗدُ اَخِيْ اَعْفِرُ وَجْهِيْ فِي التُّرَابِ لِسَيِّدِيْ وَحَقٌّ لَهٗ اَنْ يُسْجَدَ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ قَلْبًا تَقِيًّا مِنَ الشِّرْكِ نَقِيًّا لَا كَافِرًا وَلَا شَقِيًّا

پھر میری چادر میں آ کر لیٹے، تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا۔ مجھ سے فرمایا اے حمیرا یہ کیا بات ہے۔ میں نے آپ کو تمام معاملہ کی خبر دی، تو آپ میرے گھٹنے دبانے لگے

اور فرماتے تھے، افسوس ان گھٹنوں پر، یہ گھٹنے آج کی رات تھک گئے۔ یہ رات تو ایسی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں، اور اپنے بندوں کی بخشش کر دیتے ہیں، مگر مشرک اور کینہ پرور نہیں بخشا جاتا۔ (بیہقی)

۲۹۔ حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور میرے ہاں تشریف لائے، اور ابھی کپڑے نہیں اتارنے پائے تھے کہ یکایک کھڑے ہو گئے۔ اور تشریف لے گئے، میں غیرت کی ماری تمام حجروں میں ڈھونڈھتی پھری، آخر آپ کو بقیع میں پایا کہ آپ قبرستان میں سومنین اور مومنات اور شہدا کے لئے دعا مانگ رہے تھے، میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر سے قربان ہو جائیں۔ آپ اپنے رب کے کام میں مصروف ہیں۔ اور میں دنیا کی حاجت میں مشغول ہوں، میں وہاں سے لوٹ آئی، جب حضور واپس آئے تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا۔ حضور نے دریافت کیا تو میں نے سارا قصہ سنایا حضور نے فرمایا:۔

میرے پاس جبرئیل نے آکر کہا تھا کہ یہ شعبان کی نصف رات ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ مگر مشرک، کینہ دوز، قاطع رحم، مسبل ازار ماں باپ کا نافرمان، دائم الخمر کو نہیں بخشتا اس کے بعد حضور نے اپنے کپڑے رکھے اور مجھ سے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تم اجازت دو، تو میں اس رات خدا تعالےٰ کی عبادت کر لوں، میں نے عرض کیا کہ بڑی خوشی سے، آپ کھڑے ہوئے اور نماز میں اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں سمجھی وفات ہو گئی، میں نے حضور کے تلوؤں کو ہاتھ لگایا تو آپ نے حرکت کی، میں خوش ہوئی اور یہ سمجھی کہ آپ زندہ ہیں۔ میں نے سنا کہ آپ سجدے میں دعا فرما رہے تھے:۔

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ رات کو یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ فرمایا یہ کلمات سیکھ لے، اور دوسروں کو بھی سکھادے۔ مجھے جبرئیل نے یہ کلمات سکھائے ہیں، اور مجھ سے کہا ہے کہ میں ان کلمات کو سجدے میں بار بار پڑھا کروں (بیہقی)

حضرت ابوالحسن بکری فرماتے ہیں:۔

اس رات کو بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو شب قدر کے متعلق وارد ہوئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۝

چونکہ یہ رات شب قدر کے بعد افضل اللیالی ہے۔ اسلئے اس میں بھی یہ دعا پڑھنا چاہیئے، اور بعض حضرات سے مروی ہے کہ اس رات کو وہ دعا پڑھے جو حضرت آدمؑ نے طواف کرتے وقت مقام ابراہیم پہ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد مانگی تھی۔

حضرت آدمؑ کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤَالِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ

اَنَّهٗ لَا یُصِیْبُنِیْٓ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَارْضِنِیْ بِقَضَآئِكَ ۝

اس دعاء کے بعد ارشاد ہوا، اے آدم ہم نے تیری دعا قبول کر لی اور جو تیری اولاد میں سے یہ دعا کرے گا، اس کی دعا بھی قبول کر ہونگا۔
۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

یوم عاشوراء اور اُس کا حکم

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصیام بعد شھر رمضان شھر اللہ المحرم وافضل الصلوٰۃ بعد المکتوبۃ صلوٰۃ اللیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے بعد باعتبار فضیلت ماہ محرم کے روزے ہیں اور نماز مفروضہ کے بعد تہجد کی نماز کا مرتبہ ہے۔ (ترمذی۔ نسائی)

مسلم اور ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ فرض کے بعد کونسی نماز اور رمضان کے روزوں کے بعد کون سے روزے فضیلت میں زیادہ ہیں، تو حضور نے تہجد کی نماز اور محرم کے روزے فرمائے

ترمذی میں جو روایت ہے اُسکے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

یارسول اللہ ای شھر تامرنی ان اصوم بعد شھر رمضان قال اُکنت صائماً بعد شھر رمضان فصم المحرم فانہٗ شھر اللہ تعالیٰ فیہ یوم تاب فیہ علیٰ قوم ویتوب فیہ علیٰ قوم اٰخرین ہ

یعنے میں نے دریافت کیا کہ آپ مجھے رمضان کے بعد کون سے مہینے کے روزوں کا حکم فرماتے ہیں۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو روزہ رکھنا چاہتا ہے تو ماہ محرم کے رکھ کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اس میں خدا نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور ایک اور قوم کی توبہ اسیدن قبول کرے گا۔

شیخ حسن سحدوی خمرادی اپنے رسالہ نفحات نبویہ فی فضائل عاشوریہ میں فرماتے ہیں:۔

وقد وردا فی فضل عاشوراء اٰثار کثیرۃ منھا انہ تیب علیٰ اٰدم وکان خلقہ فیہ وفیہ خلق العرش والکرسی والسمٰوٰت و الارض والشمس والقمر والنجوم والجنۃ ولد ابراھیم الخلیل فیہ وکان نجاتہ من النار فیہ وکذا انجاۃ موسیٰ ومن معہٗ واغرق فرعون ومن معہ فیہ وفیہ استقرت سفینۃ نوح علی الجودی واعطی فیہ سلیمان الملک العظیم واخرج یونس من بطن الحوت ورد بصر یعقوب علیہ واخرج یوسف من الجب وکشف من ایوب عنہ واول مطر نزل من السماء الی ارض کان یوم عاشوراء

یعنی عاشورہ محرم کی فضیلت میں بہت سے آثار مروی ہیں۔ مثلاً اس دن حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی۔ اور اسی دن عرش کرسی آسمان اور زمین، چاند اور سورج اور تارے پیدا کیے گئے اسی دن جنت پیدا کیگئی اور حضرت ابراھیم خلیل اللہ

اسی دن پیدا ہوئے، اور اسی دن نمرود کی آگ سے نجات حاصل ہوئی۔ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ہمراہی فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے اور فرعون مع اپنے اعوان والانصار کے غرق کیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر اسی دن ٹھیری، اور حضرت سلیمان کو ایک ملک عظیم کا مالک اسی دن بنایا گیا۔ حضرت یونسؑ نے مچھلی کے بطن سے نجات پائی، اور اسی دن حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور دوبارہ لوٹایا گیا۔ حضرت یوسف بھی اسی دن کنعان کے کنوئیں سے نکالے گئے تھے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اسی دن اپنے مہلک مرض سے شفا پائی۔ آسمان سے زمین پہ پہلی بارش عشرہ ہی کے روز ہوئی۔

دسویں تاریخ کا روزہ

رمضان کی فرضیت سے پہلے دسویں تاریخ کے روزہ کا خاص اہتمام تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کو بھی اس دن کے روزہ کی ترغیب و تحریص دلاتے تھے۔ لیکن یہ رمضان کی فرضیت کے بعد آپ نے تاہم اور مبالغہ کو ترک کر دیا۔ بلکہ ہر شخص کو اختیار دیا گیا کہ جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے ترک کر دے، مسلم شریف میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامر بصیام یوم عاشوراء ویحثنا علیہ ویتعاھدنا عندہ فلما فرض رمضان لم یامرنا ولم ینہنا عنہ ولم یتعاھدہ

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صوم یوم عاشوراء کے متعلق ہم کو ترغیب دیتے تھے اور خاص طور پر روزے کا وعدہ کراتے تھے۔ لیکن جب

رمضان فرض ہو گیا تو آپ نے نہ تو ہم کو منع کیا اور نہ امر کیا۔ بلکہ ترغیب تعاہد کو ترک کر دیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں

کان عاشوراء یصام فیہ قبل رمضان فلما نزل رمضان کان من شاء صام ومن شاء افطر

رمضان کی فرضیت سے پیشتر یوم عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد یہ روزہ اختیاری رہ گیا یعنی مستحب

ایک اور روایت میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

کانوا یصومون عاشوراء قبل ان یفرض رمضان وکان یوماً تستر فیہ الکعبۃ قالت فلما فرض رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شاء ان یصومہ فلیصمہ ومن شاء ان یترکہ فلیترکہ۔

یعنی رمضان کی فرضیت سے قبل عاشوراء کا روزہ سب لوگ رکھتے تھے، اس دن کعبہ پر غلاف ڈالا گیا تھا۔ لیکن جب رمضان فرض ہو گیا تو حضور نے فرمایا جس کا جی چاہے وہ روزہ رکھے۔ اور جو ترک کرنا چاہے وہ ترک کر دے۔

فی روایۃ عن ابن عمر ذکر عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء فقال ذاک یوم یصومہ اھل الجاھلیۃ فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے یوم عاشورہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس دن کا روزہ زمانہ جاہلیت میں رکھا جاتا تھا جس کا جی چاہے رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے۔

وعن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوم یعظمہُ الیھود و یتخذ ونہ عیدا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم۔

حضرت ابن موسیٰ سے مروی ہے کہ یہود عشرہ کے دن کی عظمت کرتے تھے۔ اور اس دن کو انھوں نے عید بنا رکھا تھا،...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم بھی اس دن کا روزہ رکھو۔

اور ایک روایت میں بجائے یہود کے یہود خیبر کے متعلق یہی الفاظ ہیں اس میں عورتوں کو زیور سے آراستہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔

قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فرای الیھود تصوم یوم عاشوراء فقال ما ھذا قالوا یوم صالح انجی اللہ فیہ موسیٰ وبنی اسرائیل من عدوھم فصامہ فقال انا احق بموسیٰ منکم فصامہٗ وامر بصیامہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ روزہ کیسا؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل نے اپنے دشمن سے نجات پائی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ نے روزہ رکھا تھا حضور نے فرمایا تم سے زیادہ تو موسیٰ کے ہم حقدار ہیں، آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ کا حکم بھی دیا۔

ابوداؤد میں اتنے الفاظ اور ہیں۔

فصامہ موسیٰ شکرا فنحن نصومہ تعظیما لہ۔

موسیٰ نے اس میں شکریہ کا روزہ رکھا اور ہم اس دن میں تعظیماً روزہ

رکھیں گے۔

ابن ابی شیبہ نے ابی ہریرہ کا قول نقل کیا ہے۔

صوموا یوم عاشوراء وھو یوم کانت الانبیاء تصومہ فصوموہ

عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو اُس دن انبیائے سابقین روزہ رکھتے تھے سو تم کو بھی روزہ رکھنا چاہیئے۔

دیلمی اور بزار نے حضرت ابی ہریرہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً عاشوراء عید من قبلکم فصوموہ انتم۔

یعنی یوم عاشورہ تم سے پہلے گذرنے والوں کی عید تھی تم اس کا روزہ رکھو۔

روزہ کا ثواب

ترمذی نے حضرت ابو قتادہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صیام یوم عاشوراء انی احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ۔

حضور نے فرمایا کہ عشرہ محرم کے روزہ کا ثواب خدا سے امید کی جاتی ہے کہ ایک سال گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

تشبہ بالیہود کی مخالفت

فقط عشرہ محرم کے روزہ میں چونکہ یہود سے تشبہ کا اندیشہ تھا اس لئے حضور نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کا روزہ بھی

رکھونگا۔ تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔ اور تشبہ بالیہود لازم نہ آئے۔ لیکن آئندہ سال محرم تک حضور زندہ نہ رہے، اور وصال ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:-

لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع ۔

اگر میں آیندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھونگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور نے روزہ رکھا اور صحابہ کو روزہ کا حکم دیا۔ تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہود کے نزدیک اس دن کی بہت زیادہ عظمت ہے۔ تو آپ نے فرمایا:-

فاذا کان العام المقبل انشاء اللہ صمت الیوم التاسع فلم یات العام المقبل حتی توفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

یعنی انشاءاللہ آیندہ سال نویں کا روزہ بھی رکھونگا۔ تاکہ یہود سے مخالفت ہو جائے۔ لیکن آیندہ محرم سے بیشتر حضور کی وفات ہو گئی۔

ابن عباس کی ایک اور روایت میں مخالفت کی تصریح موجود ہے

ان عشنا خالفنا هم وصمنا الیوم التاسع۔

اگر ہم زندہ رہے تو یہود کی مخالفت کریں گے۔ اور نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے۔

بعض حضرات نے عدم تعمق کے باعث مخالفت کا انحصار صرف نویں تاریخ کے روزہ کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مخالفت محض ایک دن کی زیادتی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ خواہ نویں تاریخ سے کی جائے یا گیارھویں سے۔ جیسا کہ امام احمد نے مرفوعاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

صوموا یوم عاشوراء وخالفوا الیہود وصوموا قبلہ یوماً او بعدہ یوماً
یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور اس دن کے ساتھ نویں یا گیارھویں کا روزہ ملا کر یہود کی مخالفت کرو۔

بیہقی نے بھی شعب الایمان میں اس مضمون کی روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لئن بقیت امرت بصیام یوم قبلہ و یوم بعدہ۔
اگر میں زندہ رہا تو لوگوں کو نویں یا گیارھویں کے روزہ کا بھی امر کروں گا۔

پس ان احادیث کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مخالفت مقصود ہے۔ خواہ وہ نویں کا دن ملانے سے حاصل ہو جائے یا گیارھویں کے ملانے سے

توسع علی العیال

روزہ کے علاوہ اس دن اہل وعیال پر نفقہ کی وسعت کا بھی حکم ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے مرفوعاً منقول ہے:۔

من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء لم یزل فی سعۃ سائر سنتہ
یعنی جس شخص نے اپنے عیال کے لیے اس دن وسعت کی تو تمام سال اُس کے ہاں برکت رہے گی۔

اگرچہ اس حدیث کے متعلق بعض محدثین نے کلام کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس باب میں کسی حدیث کی روایت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس روایت کے شواہد اس قدر ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو روایت حسن کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے جو قابل احتجاج ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمن عراقی نے اس حدیث کو نقل کر کے اس امر کی

تصریح کی ہے۔

لکن حسن علی رای ابن حبان

اور بیہقی کے ظاہری کلام کا مفہوم یہ ہے کہ:-

ان حل بینه التوسعة حسن علی رای غیر ابن حبان

ابن حبان کے علاوہ اور محدثین بھی اس روایت کے حسن ہونے کے قائل ہیں۔

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ جید سند ابن عبد البر کی ہے۔ جو جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من وسع علی نفسہ واھلہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ۔

اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

توسعہ اور صوم کے علاوہ اور کوئی چیز ثابت نہیں

یوم عاشوراء کے متعلق بعض اور باتیں بھی عوام میں مشہور ہیں۔ لیکن ان کی کوئی اصل نہیں۔ مثلاً سرمہ لگانا غسل کرنا۔ عیادۃ کرنا۔ زیارۃ عالم، ناخن کتروانا۔ ہزار بار سورہ اخلاص پڑھنا۔ وغیرہ وغیرہ یہ تمام چیزیں بے اصل۔ بلکہ موضوعات ہیں۔ جن سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔

اس ہی سلسلہ میں علامہ خمراوی نے نفحات نبویہ میں آخری سال اور شروع سال کے لیے دو دعائیں نقل کی ہیں۔ جن کو ہم ناظرین الجمعیۃ کے لیے نقل کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کو علامہ جمال الدین نے اپنی تاریخ میں شیخ عمر بن قدامۃ المقدسی سے نقل کیا ہے۔ نیز اپنے مشائخ سے ان

دعاؤں کے متعلق بہت سی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ خاص طور پر وصیت کرتے ہیں کہ یہ دعائیں ضرور پڑھی جائیں۔

شروع سال کی دعا

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَبَدِيُّ الْقَدِيْمُ الْاَوَّلُ وَعَلٰى فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ۔ وَكَرِيْمِ جُوْدِكَ الْمُعَوَّلِ۔ وَهٰذَا عَامٌ جَدِيْدٌ قَدْ اَقْبَلَ۔ اَسْاَلُكَ الْعِصْمَةَ فِيْهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاَوْلِيَائِهٖ وَالْعَوْنَ عَلٰى هٰذِهِ النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ بِالسُّوْءِ وَالْاِشْتِغَالَ بِمَا يُقَرِّبُنِيْ اِلَيْكَ زُلْفٰى يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ٥

جب شروع سال میں کوئی شخص اس دعا کو پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ مجھ سے محفوظ کر لیا۔

آخر سال کی دعاء

اَللّٰهُمَّ مَا عَمِلْتُ فِي السَّنَةِ مِمَّا نَهَيْتَنِيْ عَنْهُ وَلَمْ اَتُبْ مِنْهُ وَحَلِمْتَ فِيْهَا عَلَيَّ بِفَضْلِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ عَلٰى عُقُوْبَتِيْ وَدَعَوْتَنِيْ اِلَى التَّوْبَةِ مِنْ جُرْاَتِيْ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ فَاِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ فَاغْفِرْ لِيْ وَمَا عَمِلْتُ فِيْهَا مِمَّا تَرْضَاهُ وَوَعَدْتَنِيْ عَلَيْهِ الثَّوَابَ فَاَسْئَلُكَ اَنْ تَتَقَبَّلَهُ مِنِّيْ وَلَا تَقْطَعْ رَجَائِيْ مِنْكَ يَا كَرِيْمُ۔

اس دعا کو تین مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ جو شخص اس دعا کو پڑھتا ہے تو شیطان مایوسانہ لہجہ میں کہتا ہے کہ میری ایک سالہ محنت کو اس نے ایک گھڑی میں برباد کر دیا ۔

فطرتِ انسانی

اور

عید

ہر جاندار کی طبیعت اس امر پر وضع کی گئی ہے کہ وہ حرکت کے بعد سکون اور محنت کے بعد آرام و راحت کو تلاش کرتا ہے۔ جانور جو غیر ذوی العقول ہیں، اور انسان کی طرح مدنی الطبع نہیں ہیں۔ ان کا آرام اس قدر ہے کہ اُن سے خدمت لینے کے بعد ان کو ان کے تھان پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ان کو اتنا موقع دیا جائے کہ وہ دانے اور چارے سے مستفید ہوں اور اپنے تھان پر لوٹ پوٹ کر دوسرے وقت کے لئے کام کرنے کو تیار ہو جائیں۔ گھوڑے، گدھے، خچر، بیل، اونٹ اور ہاتھی کے علاوہ دوسرے حیوانات میں بھی، آپ اسی قسم کی یکسانیت پائیں گے کہ وہ اپنی مفوضہ خدمت کو انجام دینے کے بعد اس امر کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کا مالک ان کو آرام کرنے کے لئے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی تکان اور درماندگی کو دور کر سکیں۔ اور آرام و راحت کے چند گھنٹے گذارنے کے بعد دوسرے وقت کے لئے پورے طور پر آمادہ ہو جائیں، بعض متمدن ممالک میں تو جانوروں کی خدمات کے لئے قانون وضع کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کے بے رحم مالک جانوروں سے بے تحاشا خدمت

بے کراں پر ظلم نہ کریں، بلکہ جانوروں کی خدمت کے لئے خاص اوقات اور گھنٹے مقرر کر دیئے گئے ہیں تاکہ جانوروں کو اوقات خدمت کے علاوہ آرام کرنے اور راحت و سکون کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔

اِنسان اور جانوروں کا فرق

جس طرح جانوروں کی طبیعت اپنی خدمت و محنت سے فارغ ہونے کے بعد دانے چارے اور پانی کو تلاش کرتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد آرام و سکون تلاش کرتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق اسقدر ہے کہ غیر ذوی العقول کا منتہائے آرام گھاس و دانے اور تھان پر کھڑے ہونے کا نام ہے، اور اشرف المخلوقات اور ذوی العقول کا آرام و سکون صرف کھانا اور بستر پر لیٹ رہنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مختلف تفریح کے سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ کوئی سوسائٹی میں بیٹھ کر دل بہلاتا ہے۔ کوئی باغ کی سیر کو جاتا ہے۔ کوئی کھلے میدان میں ٹہلتا ہے، کوئی سینما دیکھنے جاتا ہے، کوئی تاش اور شطرنج کھیل کر دل بہلاتا ہے۔ کوئی دوستوں میں بیٹھ کر ہنسی مذاق سے جی بہلاتا ہے۔ غرض مقتضائے طبیعت تو ہر جاندار کا یکساں ہے، لیکن انسان پھر انسان ہے، اور جانور آخر جانور ہی ہے۔ وہ بے چارہ صرف گھاس اور دانے سے خوش ہو جاتا ہے، اور یہ سامان تفریح و تعیش پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی دم نہیں لیتا۔ بلکہ بعض اوباش طبع اور بدچلن رئیس تو چوبیس گھنٹے اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ بہر حال انسانی طبیعت نے اپنے دل بہلانے کے ہزاروں سامان مہیا کئے ہیں، اور تفریح طبع کو اپنے روزمرّہ کے مشاغل میں داخل کر لیا ہے۔

میلے اور تیوہار

اسی تفریح طبع اور آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کے سلسلہ کی ایک کڑی میلہ اور تیوہار ہے۔ یوں تو چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اور سوسائٹیاں ایک جگہ جمع ہو کر اپنے دل بہلا ہی لیا کرتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے بڑے بڑے اجتماع بھی کیے جاتے ہیں، ان اجتماعات کا نام عرف عام میں میلہ یا تیوہار ہے، ان میلوں اور تیوہاروں کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے، تو ان کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مختلف مقامات کے لوگ کسی ایک جگہ جمع ہوں اور بے فکری کے ساتھ کھیلیں کودیں، اور کھائیں پئیں اور چند دن اسی قسم کا جشن منا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ کبھی اس قسم کا میلہ ایک بڑے شہر کے باشندے ہی مناتے ہیں اور کبھی مختلف شہروں کے لوگ جمع ہو کر اس قسم کے میلے منایا کرتے ہیں۔ ان میلوں کے لئے دُور دُور سے سفر کر کے آتے ہیں۔ اور بعض میلوں اور تیوہاروں کو مذہب اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کے ساتھ بھی منسوب کر دیا جاتا ہے۔

ایک فطری جذبہ

اس قسم کے چھوٹے یا بڑے اجتماعات اور اس قسم کی تقریبات اور تفریحات کا جذبہ ایک ایسا فطری اور طبعی جذبہ ہے کہ جب سے انسان نے اس دُنیا میں سکونت اختیار کی ہے اور اس کو بُرے بھلے کی تمیز آئی ہے۔ اس وقت سے یہ جذبہ کارفرما ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے دنوں

ہیں سے کسی دن خوشی منانا، تفریح کرنا۔ دل بہلانا انسانی طبیعت کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس مقصد کے حصول اور اس قسم کی تفریحات کے طریقے خواہ کتنے ہی مختلف ہوں، لیکن تاریخ انسانی کا کوئی صفحہ اور تمدن انسانیت کا کوئی دن اس سے خالی نہیں ہے۔ اس قسم کی تقریبات، اجتماعی یا انفرادی، سال میں ایک مرتبہ ہوں یا چند مرتبہ، آٹھویں دن ہوں یا چھٹے مہینے غرض انسانی زندگی کے لوازمات سے یہ تقریبات تسلیم کی گئی ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں ان رسومات تفریح کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔ ابتدائی دور میں کچھ اور شکل تھی، جوں جوں انسان صحیح معنی میں انسان بنتا گیا اور آدمیت سے شناسا ہوتا گیا۔ اسی قدر ہر چیز میں تبدیلی ہوتی گئی۔ حیوانہ زندگی سے جسقدر تمدن و تہذیب کی طرف انسان قدم بڑھاتا گیا اسی قدر تفریحات و تقریبات اور ایام مسرت و شادمانی میں شائستگی آتی گئی، اور مختلف زمانوں میں، مختلف طریقے دل بہلانے کے ایجاد و اختراع ہوتے رہے

شہنشاہیت کا دور

انسانیت کے ابتدائی دور میں جب سے سرداری اور حکمرانی کی بنیاد واقع ہوئی ہے اور مختلف قبیلوں نے کسی ایک شخص کو حکمراں یا سردار بنا کر اس کی فرماں روائی تسلیم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے تو صرف بادشاہ کی پیدائش کے دن کو خوشی اور مسرت کا دن سمجھا گیا۔ سال میں جب کبھی وہ دن آتا۔ اس دن مختلف طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا۔ بعض دفعہ کسی واقعہ کو خوشی کا دن اور یوم مسرت بنا لیا جاتا تھا۔ بعض تہذیبوں میں فتح و نصرت کے دن ہی کو یوم السرور اور ایام الزینتہ کا لقب دیا گیا تھا۔

جب انسانیت نے اور آگے قدم بڑھایا، درختوں اور بتوں کی بجائے کواکب پرستی شروع ہوئی، اور چاند سورج کی حرکات سے دلچسپی پیدا ہوئی تو نوروز، شادمانی اور خوشی کا دن قرار پایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس دن اہل بابل کے بتوں کو توڑا ہے وہ دن ان کی عید کا دن تھا۔ تمام کواکب پرست شہر سے باہر عید منانے گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم راستے سے بیماری کا عذر کر کے واپس آ گئے، اور یہ دیکھ کر کہ بتوں کا محافظ کوئی نہیں ہے، اور ہر شخص شہر سے باہر عید کی تقریبات میں مشغول ہے۔ حضرت ابراہیم نے موقع کو غنیمت سمجھا، اور تمام بتوں کو چکنا چور کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس دن مصری حکومت کے جادوگروں سے مقابلہ کر کے ان کو شکست دی ہے۔ وہ دن بھی مصریوں کی عید کا دن تھا جس کو قرآن میں یوم الزینتہ سے تعبیر کیا ہے۔

بنی اسرائیل میں بھی مختلف عیدیں منائی جایا کرتی تھیں، اور ان عیدوں کا تعلق اکثر ایام فتوحات سے تھا۔ مثلاً داؤد علیہ السلام کی فتح کا دن خوشی کا دن شمار کیا جاتا تھا۔ پھر فرعون پر فتح پائی، اور مصر کی حکومت قبضہ میں آئی تو اُس دن کو عید کا دن بنا لیا گیا۔

عیسائی تہذیب میں حضرت مسیح کا یوم ولادت خوشی کا اور عید کا دن مقرر کیا گیا۔

یہود ایک عرصہ دراز تک یوم عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو عید مناتے رہے۔

عرب نے ایام حج جو عبادت اور مناسک کے دن تھے، بگاڑ کر میلے

اور تیوہار کے دن بنا لئے۔

ایران میں زردشتی تعلیم فنا ہو جانے کے بعد ہمیشہ نوروز کو عید کا دن سمجھا گیا۔

ہندوستان میں ربیع اور خریف کی فصلوں کے ساتھ ساتھ بعض دریاؤں کی پوجا، اور ان میں غسل کرنے کے دنوں کو میلے اور تیوہار کے دن بنا لیا گیا۔ موسم کی تبدیلی یعنی آتے سردی، اور جاتے گرمی کو تہوار منا کر ان کا نام ہولی اور دیوالی رکھا گیا۔ موسم بہار کی آمد پر بسنت پنچمی کے دن کو خوشی کا دن ٹھہرایا گیا۔ غرض دنیا کی ہر تہذیب میں انسانوں نے اس خواہش کا مظاہرہ کیا ہے اور کسی نہ کسی جہت سے سال میں کم سے کم ایک یا دو دن خوشی کے مقرر کئے ہیں۔ کلدانی، یونانی، بابلی، مصری، ایرانی ہندوستانی غرض، ہر تہذیب میں اس قسم کے ایام مسرت اور ایام عید کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان دنوں کے نام ہر دور میں مختلف ہوتے رہے ہیں، لیکن تمام تہذیبوں میں ایک ہی جذبہ کارفرما رہا ہے، اور وہ یہ کہ سال میں کوئی دن ایسا ضرور ہونا چاہیئے کہ جس میں زندگی کے مختلف تفکرات پر خاک ڈال کر ہر قسم کی پریشانیوں اور مصائب والام سے بے نیاز ہو کر جشن منایا جائے، خوشیاں کی جائیں لہو ولعب کھیل کود سے ہم آغوش و ہمکنار ہوا جائے۔

وجوہات مختلفہ

انسانی طبیعت کے ساتھ ساتھ ضروریات، اور حاجت، ایجاد و اختراعات کی ماں ہے، اس لئے ہر انسان اپنے افعال و اعمال کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ اور کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تلاش کر لیتا ہے۔ خواہ وہ اعمال و افعال حسنہ ہوں یا قبیحہ۔ جب انسانوں نے خوشی منانے کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس

احساس، مسرت و شادمانی نے قوت پکڑی تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ایجاد کر لی گئی۔ کسی نے بتوں کی پوجا کا بہانہ بنایا، اور ایک دن مقرر کر لیا۔ کسی نے دشمن پر فتح کا دن اور کسی نے بادشاہ یا سردار کی پیدائش کے دن کو وجہ مسرت قرار دیا، اور ایک تاریخ خوشی کی مقرر کر لی۔ کسی قوم نے حساب شمسی کا بہانہ بنایا، اور شروع سال کو معظم و محترم قرار دے کر ایک دن عید کا مقرر کر لیا۔ کسی قوم نے گنگا کے نہان کو بہانہ بنایا، اور میلہ منا لیا۔ کوئی قوم موسم بہار اور موسم خزاں کی آڑ لے کر ایک دن منا بیٹھی۔ غرض ہر قوم نے جشن مسرت منانے کیلئے ایک نہ ایک وجہ کو اہمیت دی، اور اسی وجہ کو مبنیٰ قرار دے کر اپنی مسرت کا سامان مہیّا کر لیا اور چونکہ ہر قوم نے اس قسم کے تہواروں اور ایام مسرت کے لئے مختلف وجوہات کو مبنیٰ اور سبب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر قوم کی عیدوں میں مختلف افعال و اعمال کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ کسی تہذیب میں بتوں کے سامنے عمدہ عمدہ کھانے رکھکر ناچ اور گانا کیا گیا۔ کسی تہذیب میں عید کے دن بتوں کے سامنے غلاموں کو ذبح کیا گیا۔ اور بعض مواقع پر انسان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہنچا دی گئی۔ کسی تہذیب میں اس جذبہ کو شراب اور زنا کی کثرت کے ساتھ پورا کیا گیا۔ کسی تہذیب نے زندہ انسانوں کو آگ میں جلا کر اور درندوں سے پھڑوا کر دل کو خوش کیا۔ اور طبیعت کے بہلانے کا سامان مہیّا کیا۔ کسی تہذیب میں آگ جلا کر اور آگ کے سامنے اُچھل کود کر خوشی منائی گئی۔ کسی تہذیب میں مختلف قصیدے پڑھ کر اور شاعری کے جوہر دکھا کر مسرت و شادمانی کے ارمان پورے کیے گئے۔ کہیں۔ عورتوں اور مردوں نے یکجا جمع ہو کر باہم ایک دوسرے سے فحش مذاق کر کے اس دن میں دل لگی کا سامان مہیّا کیا اور کسی تہذیب میں آگ جلا کر گھی اور مختلف خوشبو

سے تواضع کی۔ پھر شراب کا دور چلا۔ مستی کا مظاہرہ کیا گیا۔ بعض قوموں نے صرف ایک دن یا دو دن نہیں بلکہ مسلسل آٹھ دس دن تک اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کا نام ایام عید رکھا تھا۔ کسی تہذیب میں سورج کی پوجا اور کواکب کی پرستش ہی کو دل کے خوش کرنے کا سامان سمجھا گیا۔ کہیں دریاؤں میں ڈبکی اور غوطہ لگانے ہی کو میلہ قرار دیا گیا۔ کسی قوم نے بہت سے چراغ اور چھوٹے چھوٹے دیوے جلا کر دیوالی منائی اور تین دن کا میلہ بنا لیا۔ ہولی کے موقع پر مختلف رنگوں کی کی پچکاریوں سے کھیلنے گلال ملنے اور شراب پی کر بازاروں میں اچھلنے کودنے کا نام تیوہار رکھ لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس قوم سے واسطہ پڑا تھا۔ ان کی عید یہی تھی کہ بتوں اور کواکب کی فرضی تصاویر کے سامنے پر تکلف کھانے رکھ دیئے جائیں، اور خود جنگل میں جا کر منگل منائیں۔ کثرت سے شراب پیئیں۔ بلا امتیاز بکثرت زنا کریں۔ گائیں بجائیں اور واپس آکر اس کھانے کو تبرک سمجھ کر کھائیں جو بتوں کے سامنے رکھ دیئے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا یوم الزینۃ یا یوم العید یہی تھا کہ صبح کو شہر کے تمام باشندے کھلے میدان میں جمع ہوں اور بادشاہ کی پوجا کریں۔ اس کے سامنے ہر قسم کے کمال دکھائیں۔ بادشاہ سے انعام واکرام لیں۔ اور شام کو گھر چلے آئیں۔ غرض ہر قوم کی عید کا نیا ڈھنگ اور ہر تہذیب کے جشن مسرت کا نیا رنگ تھا۔ ہر قوم نے اپنے مذاق اور اپنی دلچسپی کے سامان اپنے نقطۂ نگاہ سے جمع کئے تھے۔ میرا منشاء اس وقت یہ نہیں ہے کہ ان سب پر تنقید کی جائے یا ان کی برائیوں اور بھلائیوں سے بحث کی جائے۔ بلکہ صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ تفریح کا جذبہ ایک فطری اور نیچرل جذبہ ہے، اور اس جذبۂ فطری

کو پورا کرنے کے لئے ہر زمانے کے لوگوں نے سال میں ایک دن یا دو دن یا اس سے کم و بیش کوئی نہ کوئی دن مقرر کیا ہے۔ ہر دور میں ان ایام مسرت کے مختلف نام رکھے گئے، اور ان دنوں میں دل بہلانے، طبیعت کو خوش کرنے کے لئے تفریح کے مختلف سامان کئے جاتے رہے ہیں۔

اس تمام تمہید سے صرف اتنا ہی مقصد ہے۔ اور تاریخی روشنی میں ناظرین کو یہ بتلانا ہے کہ انسانی تہذیب کی تاریخ کے مختلف صفحات سلسل میں چند ایسے دنوں کی گواہی دیتے ہیں۔ جن کو قوم نے اپنے دل بہلانے اور طبیعت کو خوش کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

اسلامی تہذیب کا دور

اسلام جو ایک فطری اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ مذہب ہے۔ جب اس کی دعوت و اشاعت پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا، اور آپ کی پیروی کا زمانہ شروع ہوا۔ اور آپ نے اس تعلیم سے لوگوں کو آشنا بنایا۔ جو وقتاً فوقتاً انبیاء و مرسلین کے ذریعہ دنیا میں آتی رہی ہے، اور جو ایک مکمل قانون کی شکل میں قیامت تک باقی رہنے والی تھی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نظر ڈالی اور آپ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ تفریح طبع سے انسان کو روکنا، اور مذاق کو مزاح کے تمام دروازوں کو بند کر دینا انسان کے لئے تکلیف مالا یطاق ہو گا۔ جب ہر جاندار کی جبلت کا موضوع یہی ہے کہ وہ کبھی کبھی معیشت اور زندگانی کے مد و جزر سے فارغ ہو کر آرام و سکون تلاش کرنا چاہتا ہے اور سوسائٹی میں بیٹھ کر ہنسنے بولنے کا خوگر ہے۔ جس طرح مجبوراً ہر قسم کے غم و الم

کو برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح ہنس کھیل کر دل کو بہلانا چاہتا ہے اور دل کو خوش کرنے کی فکر بھی کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے مذاق و مزاح کو ناجائز قرار دیدیتے۔ تو یہ کہا جاتا کہ اسلام نہایت خشک مذہب ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کی تفریح کی اجازت ہے اور نہ کسی قسم کی دل لگی، اور خوش طبعی کو دخل ہے۔ اسلام انسان کو اس کی فطرت کے خلاف مجبور کرنے کا نام ہے۔ انسان کی فطرت تو یہ ہے دل لگی اور خوش طبعی کی جائے، اور اسلام اس کو حرام کہتا ہے۔

مزاح کی اجازت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش طبعی کو حرام نہیں کیا بلکہ فطرت انسانی کے اس جذبہ کا احترام کرتے ہوئے خوش طبعی اور مزاح کی اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی کہ خوش طبعی کو کذب اور فحش کی آلائش سے محفوظ رکھا جائے، اور ایسا مذاق اور ایسی خوش طبعی کی جاسکتی ہے۔ جس میں فحش اور کذب نہ ہو۔ بعض مواقع پر خود بھی مزاح فرمایا تاکہ اُمت اس کے جواز و اباحت کو سمجھ لے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اور خوش طبعی کے سلسلہ میں اکثر واقعات مشہور ہیں۔ کسی بڑھیا عورت کا یہ دریافت کرنا کہ میں جنت میں جاؤنگی یا نہیں، اور آپ کا یہ فرمانا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی اور پھر اس کی پریشانی کو دیکھ کر یہ فرمانا کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں نجائیگی بلکہ جوان ہو کر جائے گی۔ یہ مزاح تھا۔ اسی طرح کسی شخص کے اونٹ مانگنے پر یہ فرمانا کہ تم کو اونٹنی کا بچہ دیا جائے گا۔ اور اس کے اصرار پر یہ فرمانا کہ اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی مزاح تھا۔ اسی سلسلہ میں

کھجور والے کا واقعہ بھی مشہور ہے۔ جس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا اس غلام کا کون خریدار ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ یارسول اللہ میں تو بڑا کھوٹا اور نقصان کا مال ہوں، اور اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ خدا کی قسم تو کھوٹا مال نہیں ہے۔ اور پھر غلام کی توجیہہ میں یہ فرمانا کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں۔ یہ تمام واقعات مذاق اور خوش طبعی پر مشتمل ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما

لطائف وظرائف کی بعض کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے کہ ایکدفعہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ایک طبق میں سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ عمر بن خطاب نے کھجوریں کھاتے کھاتے یہ مذاق شروع کیا کہ جو کھجور کھاتے اس کی گٹھلی حضرت عثمان کی گٹھلیوں میں ملا دیتے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بطور مزاح حضرت عمر حضرت عثمان سے کہا:-

انت اکال یا عثمان (اے عثمان تم بڑے کھانیوالے ہو)

چونکہ حضرت عمر کی گٹھلیاں بھی حضرت عثمان کی گٹھلیوں میں شامل تھیں اس لئے یہ مذاق کیا گیا۔ حضرت عثمان نے برجستہ جواب میں کہا بیشک میں بہت کھانے والا ہوں۔ لیکن آپ تو کھجوروں کے ساتھ گٹھلیاں بھی کھا گئے۔ کیونکہ حضرت عمر کے سامنے گٹھلیاں نہ تھیں۔ اور اپنی گٹھلیاں حضرت عثمان کی گٹھلیوں میں ملا چکے تھے اس لئے خاموش ہو جانا پڑا۔

حضرت علیؓ کا واقعہ

اسی طرح حضرت علی کا واقعہ مشہور ہے۔ ایک دن آپ دو آدمیوں کے

درمیان چل رہے تھے چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چھوٹا قد تھا۔ اس لئے وہ دونوں آدمی جو آپ کے دائیں بائیں تھے۔ اُن کے قد آپ کے قد سے نکلے ہوئے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اے علی تم ہمارے درمیان ایسے ہو جیسے لنا کا نون۔ لنا لکھنے میں، چونکہ نون کا شوشہ بیچ میں ہوتا ہے۔ اس لئے علی پر لنا کے نون کی تشبیہہ چسپاں ہوگئی۔ لیکن حضرت علی نے فوراً اس مذاق کا جواب دیا۔ فرمایا بیشک میں لنا ہوں۔ لیکن تم دونوں میری وجہ سے لنا بنے ہوئے ہو۔ اگر مجھ کو بیچ میں سے نکال دو تو تم "لا" رہ جاؤ کے معنی ہیں۔ نفی تو گویا تمہارا وجود ہی میرے دم سے ہے۔ اگر میں نہ ہوں تو تم نفی رہ جاؤ یہ ایسا جواب تھا۔ جس کو سن کر اعتراض کرنے والا ساکت ہو گیا۔

خوش طبعی کا ایک اور واقعہ

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طبیعت ناساز تھی۔ حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین تینوں حضرات مل کر حضرت علی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ حضرت علی ان حضرات کی تشریف آوری سے بہت مسرور ہوئے اور اس خیال سے مکان میں تشریف لے گئے کہ مہمانوں کی تواضع کے لئے کچھ پیش کیا جائے۔ گھر میں جاکر معلوم ہوا کہ صرف شہد موجود ہے۔ آپ نہایت بے تکلفی کے ساتھ شہد ایک طباق میں نکال کر لے آئے۔ اتفاق سے شہد میں ایک بال پڑ گیا۔ جب ان معزز مہمانوں کے سامنے شہد لاکر رکھا گیا تو طباق کی سفیدی، شہد کی شیرینی اور اس بال کی باریکی پر طبع آزمائی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

الدین انور من الطشت وذکر اللہ احلی من العسل۔ و الشریعۃ ادق من الشعر ٥

(یعنی دین طباق سے زیادہ نورانی ہے، اللہ کا ذکر شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اور شریعت بال سے زیادہ باریک ہے)

یہ سُن کر حضرت عثمان نے فرمایا:۔

القرآن انور من الطشت وقرأتہ احلی من العسل وتفسیرھا ادق من الشعر ٥

(یعنی قرآن طباق سے زیادہ نورانی ہے اور اسکی قرأت شہد سے زیادہ شیریں اور اس کی تفسیر بال سے زیادہ باریک ہے)

یہ سُن کر حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا:۔

الجنۃ انور من الطشت ونعیمھا احلی من العسل والصراط ادق من الشعر۔

(یعنی جنت طباق سے زیادہ نورانی ہے، اور اس کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں اور دوزخ کا پل جس کو پل صراط کہتے ہیں بال سے زیادہ باریک ہے)

ان تینوں حضرات کی طبع آزمائی کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:۔

الضیف انور من الطشت وکلام الضیف احلی من العسل وقلبہ ادق من الشعر

(یعنی مہمان کا چہرہ طباق سے زیادہ نورانی ہے اور اسکی باتیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔ اور اس کا دل بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس مذاق اور دل لگی کے بعد یہ صحبت ختم ہو گئی۔ اس ہی جیسی اور صدہا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن کا مفاد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم

کی شریعت نے فطرت انسانی کا خیر مقدم کیا ہے، اور جذبات تفریحی کا احترام کرتے ہوئے خوش طبعی باہمی مزاح اور باہمی دل لگی کی اجازت دیدی ہے۔ مُنہ کو گوند لگا کر بیٹھے رہنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی عام مذاقیہ اور مسخرے پن کی زندگی اختیار کر لینے سے منع فرمایا ہے۔ بالخصوص ایسے ایسے بڈھوں کے لئے وعید فرمائی ہے۔ جو ہنسنے ہنسانے کو پیشہ بنالیں، اور اپنے مسخرے پن سے لوگوں کو ہنساتے پھریں۔ ایسا مذاق جو لوگوں کی دل آزاری کا باعث ہو یا فحش اور بدگوئی تک پہونچتا ہو، یا کسی پر طعن اور بُرے القاب کو مستلزم ہو، یا اس قسم کا مذاق جس میں کسی بات کو کسی کی چڑ بنالیا جائے، یا کسی پر بیہودہ پھبتی کسی جائے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر فحاش اور بد مذاق لوگوں کی عادت ہے۔ اس قسم کی چیزوں کو شریعت مقدسہ نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ باقی رہا کسی سچے واقعہ یا سچی بات سے دل بہلانے کو شریعت نے منع نہیں کیا۔ اور سوسائٹی میں مل بیٹھنے اور باہمی خوش طبعی کو جائز رکھنے میں فطرت انسانی کے احترام کا پورا لحاظ کیا ہے۔ کسی نے دریافت کیا یارسول اللہ کبھی ہم لوگ اپنے مکان کے آگے، گلی میں بیٹھ جاتے ہیں، اور آپس میں بیٹھکر بات چیت کر لیا کرتے ہیں۔ تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ راستہ کا حق ادا کر دیا کرو۔ سائل نے عرض کیا یارسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے۔ فرمایا کہ گلی میں اس طرح نہ بیٹھو کہ راہ گیروں پر راستہ تنگ ہو جائے۔ اور کسی کی بہو بیٹی کو نہ چھیڑو۔ اگر کوئی اجنبی راستہ دریافت کرے تو اُس کو راستہ بتادو۔ جہانتک انفرادی یا چند اشخاص کی تفریح کا سوال تھا۔ وہ ان واقعات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اسلامی اجتماعات

فطرت انسانی کا جذبۂ تفریحی صرف اس پر قانع نہ تھا کہ دو آدمی یا دو سے زائد چند اشخاص ایک جگہ مل بیٹھ کر دل بہلالیں۔ بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہو کر جشن منائیں اور عیش و طرب کی زندگی بسر کریں اور اس جشن مسرت کے لئے کم از کم ایک دن یا ایک دن سے زیادہ مقرر کریں۔ چنانچہ اسی جذبہ کی کارفرمائی کا یہ نتیجہ تھا کہ مختلف قوموں میں خواہشات لہو و لعب کو پورا کرنے کی غرض سے بڑے بڑے اجتماع ہوتے تھے۔

اور ان اجتماعات میں ہر قسم کی تفریحات کا سامان جمع کیا جاتا تھا۔ دل کھول کر شرابیں پی جاتی تھیں۔ زنا بکثرت ہوتا تھا۔ یا بتوں کی پوجا بڑے ٹھاٹھ سے ہوتی تھیں، یا بادشاہ پرستی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ یا ناچ رنگ سے مجالس کو آراستہ کیا جاتا تھا۔ غرض مہذب دنیا جس طرح چاہتی تھی اپنی تفریح کا سامان کیا کرتی تھی، شریعتِ اسلامی نے ان اجتماعات اور ان کے اسباب و علل پر بھی ایک عمیق نظر ڈالی۔ اور جس جذبہ کے ماتحت یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ اس پر بھی اچھی طرح غور کیا۔ اور آخر میں خدائی تہذیب کے سب سے بڑے علمبردار سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جذبہ فی حد ذاتہ برا نہیں ہے۔ کسی قوم کا بڑی تعداد میں ایک جگہ جمع ہونا برا نہیں ہے۔ اجتماعی زندگی میں بڑے بڑے منافع اور فوائد ہیں۔ باہمی تبادلۂ خیالات اور قوموں کی اقتصادیات کے لئے مختلف مواقع پر اجتماعات بہت ضروری ہیں۔ اس لئے اجتماعات کی اجازت دیدی گئی۔ لیکن ان اجتماعات میں جو غلط کاریاں اور ننگ انسانیت افعال ہوتے تھے ان کو

ممنوع قرار دیدیا۔ اُن افعالِ قبیحہ کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ اور نسلِ انسانی کو بتایا گیا کہ اسلام دنیا سے مخربِ اخلاق افعال کو مٹانے آیا ہے۔ اسلام ہی خدائی مذہب ہے جو ہر قسم کی بدتہذیبی اور فحش روایات کو مٹا کر افعالِ حسنہ سے بنی نوعِ انسان کو آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اجتماع کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن ان اجتماعات میں نہ تو غیر اللہ کی پرستش کی جائے گی، نہ شراب و زنا کی اجازت دی جائے گی۔ نہ بتوں پر انسان کو قربان کیا جائیگا نہ کوئی فحش اور گندی رسم ادا کی جائے گی۔ نہ بادشاہ پرستی کا مظاہرہ ہوگا۔ نہ گنگا اور جمنا میں ڈبکیاں لگائی جائیں گی، نہ موسموں کی تبدیلی کا نام لے کر سورج کی پوجا کی جائے گی، نہ ہولی کے تہوار کی طرح آگ روشن کی جائیگی اور نہ آگ کی پوجا کی جائے گی۔ نہ گلال ملا جائے گا۔ نہ رنگ کی پچکاریوں سے انسانوں کے کپڑے رنگے جائیں گے نہ ڈھولکی گلے میں ڈال کر ناچا جائے گا۔ نہ کسی کی بہو بیٹی کو چھیڑا جائے گا۔ نہ ایک دوسرے کو گالی دی جائے گی۔ نہ کوئی کسی پر پھبتی کسے گا۔ بلکہ کوئی ایسا فعل جو انسانی تہذیب کے لئے ننگ و عار ہو۔ ان اجتماعات میں نہ کیا جائے گا۔ اور نہ افعالِ شنیعہ اور نہ اعمالِ قبیحہ کے ارتکاب کی اجازت ہوگی۔ بلکہ اسلامی اجتماعات نہایت شائستہ و مہذب ہونگے، اور ان اجتماعات میں صرف خدا وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اُس کی پرستش کا مظاہرہ ہوگا۔ اکل و شرب کی اجازت ہوگی۔ لیکن حدِ اعتدال کے ساتھ اور حلال کے ساتھ لہو و لعب کی اجازت ہوگی۔ مگر صرف اپنی حلال بیوی کے ساتھ۔

مدینہ کی دو عیدیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ والوں کو دیکھا کہ وہ سال میں دو دن عید مناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں دن کیسے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم ان دنوں میں لہو و لعب کرتے ہیں یہ دو دن ہماری مسرت اور خوشی کے دن ہیں۔ ہم ان دنوں میں کھیلنے کودتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

ان اللہ قد ابدلکم بھما خیرا منھما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر

یعنی اللہ تعالیٰ الخ دور جاہلیت کے دنوں کی بجائے تم کو اور دو دن عطا کر دیئے ہیں۔ ان دونوں کے بدلے میں تم کو اللہ تعالیٰ نے یوم الاضحیٰ و یوم الفطر عطا فرمائے ہیں۔

نوروز اور مہرجان

مدینہ کے لوگ جن دنوں میں عید مناتے تھے وہ یا تو باہمی فتوحات کے خیال سے دو دن مقرر کئے تھے، اور یا نوروز اور مہرجان کے دو دن تھے۔ جو غالباً عراق یا ایران کی دیکھا دیکھی اختیار کر لئے تھے۔ نوروز کو ان قوموں میں وہی حیثیت حاصل تھی جو محرم کو مسلمانوں میں حاصل ہے۔ یعنی شمسی حساب سے سال کا پہلا دن نوروز ہوتا تھا۔ یعنی جس دن سورج برج حمل میں منتقل ہوتا ہے وہ نوروز تھا، اس دن کواکب پرست سورج کی پوجا کرتے تھے، اور اس دن عید مناتے تھے۔

مصری تہذیب میں بھی یہ دن قابل عظمت شمار کیا جاتا تھا، اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرعون نے جس دن موسیٰ کا مقابلہ کیا ہے وہ یہی دن تھا۔ اور اسی دن کو قرآن میں یوم الزینتہ کہا گیا ہے۔ شروع سال کے پہلے دن کو نوروز کہا جاتا تھا۔ اہل عرب نے اس کو معرب کر لیا تھا۔

اور بجائے نوروز کے نیروز کہا کرتے تھے۔ اسی طرح مہرجان اُس دن کا نام ہے جس دن سورج میزان میں منتقل ہوتا ہے۔ بُرج حمل کا پہلا دن نوروز اور برج میزان کا پہلا دن مہرجان کے نام سے مشہور تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بھی اُن دنوں میں عید منایا کرتے تھے، اگرچہ عجمیوں کی عید سے ان کی عید مختلف تھی۔ اور رسومات سخریہ میں فرق تھا۔ لیکن بہرحال یہ دونوں دن اُن کے نزدیک معظم اور لہو ولعب کے دن سمجھے جاتے تھے۔ موسم کے اعتبار سے یہ دونوں دن بہترین ہوتے ہیں۔ موسم معتدل ہوتا ہے نہ زیادہ گرمی نہ زیادہ سردی۔ ہوا نہ بہت سرد اور نہ بہت گرم۔ اہل عجم نے موسم کی تبدیلی کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ دن مقرر کیئے ہونگے لیکن عرب محض تقلیدی طور پر ان دونوں کو منانے لگے، اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان الفاظ میں اقرار کیا کنا نلعب فیھما فی الجاھلیۃ یارسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دونوں دنوں میں کھیلا کودا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں دنوں کی حرمت و تعظیم اور ان کے کھیل کود، اور لہو ولعب کو ممنوع قرار دیا۔ اور ان کی جگہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر کا اعلان کیا۔ اہل مکہ اگرچہ اہل مدینہ کی طرح ان دنوں کو نہیں مناتے تھے۔ لیکن انہوں نے کعبہ میں داخل ہونے کے بعد چند دن مقرر کر رکھے تھے، اور وہ ان دنوں کو عید سمجھتے تھے۔ یہود کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یوم عاشورہ کو عید سمجھتے تھے، اور نصاریٰ ولادت ابن مسیحؑ یا رفع الی السماء کے دن کو عید مناتے تھے۔ بہرحال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اعیاد مروجہ کو منسوخ کر دیا۔ اور اُن کی جگہ عید اضحیٰ اور عید الفطر کا تقرر فرما دیا۔

عید الفطر

اگرچہ اسلامی شریعت میں عید الفطر اور عید ضحیٰ کے علاوہ اور بھی بعض اجتماعات ہیں۔ مثلاً ایام حج کا اجتماع، جمعہ کا اجتماع، صلوٰۃ خسوف و کسوف کا اجتماع، استسقا کا اجتماع، وغیرہ لیکن یہ مضمون چونکہ عید، نمبر کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ اس لئے اس مضمون میں بجز عیدین کے دوسرے اجتماعات سے بحث نہیں کی جائے گی۔ بلکہ عید میں بھی صرف عید الفطر کی حقیقت اور اس کی نوعیت سے بحث کی جائے گی۔ چونکہ دونوں عیدوں کے اکثر احکام باہمی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ ضمناً عید اضحیٰ کا بھی ذکر آجائے۔ لیکن مقصود بالذات اس مضمون میں صرف عید الفطر ہے، اگرچہ اہل علم کے نزدیک یہ امر بھی واضح ہے کہ عیدین میں عید اضحیٰ کا مرتبہ بڑا ہے۔ اور اسکا نام عید اکبر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی عید اضحیٰ کو عید الفطر پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہ تقدیم ہی عید ضحیٰ کے عظیم المرتبہ ہونے پر مشعر ہے۔ لیکن مضمون کی غرض چونکہ عید الفطر پر روشنی ڈالنی ہے۔ اس لئے باوجود عید ضحیٰ کی عظمت و بزرگی کے اسکے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے۔ تاکہ خلط بحث، نہ ہو جائے۔

اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا

عید کے دن انصار کی لڑکیاں دف بجا کر مجاہدین اسلام کی تعریف میں کچھ گا رہی تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا حضرت صدیق کے ڈانٹنے پر وہ لڑکیاں خاموش ہوگئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر قوم کی ایک عید ہے، اور آج ہماری عید ہے۔ سرکار دو عالم

کے اس فقرے نے اس امر کو واضح کر دیا کہ دُنیا کی تمام قوموں میں عید منانے کا دستور چلا آتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو قومیں نبوت کی روشنی سے محروم ہیں۔ اُن کی عید کا تو حال وُہی ہے۔ جو میں نے ابھی عرض کیا ہے اور اگر اس قسم کی عیدوں کی مزید تحقیق منظور ہو تو آج بھی غیر مسلم قوموں کے میلے اور تیوہاروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان تیوہاروں کے مقابلہ میں ایک تیوہار یا عید وہ ہے جو مسلمانوں کے ہاں عید کے نام سے مشہور ہے۔

انبیائے سابقین کی عید

اس سے بیشتر کہ شریعت محمدیہ کی عید الفطر کا ذکر کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی عیدوں پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اگرچہ امتِ محمدیہ کی طرح دوسرے پیغمبروں کی امتوں میں عید کا یہ اہتمام اور یہ رونق اور یہ چہل پہل نہیں تھی۔ جو اس اُمت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن کتب سیر کے مطالعہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ بعض انبیاء کی اُمتیں مختلف مناسبتوں سے بعض ایام میں عید منایا کرتی تھیں، اور ان امتوں نے اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے لیے مخصوص ایام مقرر کر لیے تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُمت نے اُس دن کو عید مقرر کیا تھا۔ جس دن ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ سے نجات پائی تھی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوم اُس دن عید منانی تھی جس دن حواریوں کی درخواست کے موافق آسمان سے مائدہ نازل ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ سورہ مائدہ میں آیا ہے قرآن نے حضرت عیسےٰ کے حواریوں کا قول بھی نقل کیا ہے۔

تکون لنا عیدً الاوّلنا واٰخرنا واٰیۃً منک ۔ یعنی اگر ہم پر مائدہ نازل ہوگیا۔ تو یہ ہمارے لیئے اور آیندہ ہماری نسلوں کے لیئے عید کا دن شمار کیا جائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس دن کو عید سمجھتی تھی۔ جس دن یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ سے نجات حاصل کی تھی، اور اپنے مفوضہ عہدے کا با عزت چارج لیا تھا حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد اُس روز کو عید سمجھتے تھے، جس دن حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ عیدیں کچھ زیادہ عرصہ تک رائج نہیں رہیں۔ اور قوموں کے انقلاب نے یا تو بالکل ان عیدوں کو فراموش کردیا۔ یا ان کی صورتیں بالکل مسخ کردی گئیں،

عید الفطر میں کیا ہوتا ہے

میں نے ابتداً ان تمام عیدوں کو مختصراً تذکرہ کردیا تھا۔ جو آج تک غیر مسلم قومیں مناتی ہیں، یا اس وقت بھی تیوہار اور میلوں کے نام سے منائی رہتی ہیں، اور میرا مقصد اس تطویل سے صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنی عید پر نظر ڈالتے وقت اس امر کا خیال رکھیں کہ یہ کس قدر اونچی تہذیب کے مالک ہیں۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کتنی بلند پایہ ہے کہ اس کا مقابلہ دُنیا کی دوسری قومیں نہیں کرسکتیں، چہ جائیکہ اسکی عبادت اور معاملات کا مقابلہ مسلمانوں کی عید میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مسلمان صبح اُٹھ کر غسل کرتے ہیں، حسب توفیق نئے کپڑے پہنتے ہیں، خوشبو لگا کر عید گاہ چلے جاتے ہیں، راستہ میں کسی قسم کا گانا بجانا یا گالی بکنا یا کوئی بیہودہ مذاق نہیں کرتے، بلکہ تکبیر پڑھتے ہوئے جاتے ہیں۔

جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر و للہ الحمد تکبیر پڑھتے ہوئے متانت و سنجیدگی کے ساتھ عید گاہ کی راہ طے کرتے ہیں۔ عید گاہ پہونچکر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اور امام کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ امام کے آنے پر صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کی اقتدا میں دو رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ امام کی ایک اللہ اکبر پر لاکھوں انسان خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے دوہرے ہو جاتے ہیں، اور اپنی کمروں کو جھکا دیتے ہیں، اور اپنے مالک کی بڑائی کا اعتراف کرتے ہیں، اور سبحان ربی العظیم کہتے رہتے ہیں، امام جب رکوع سے کھڑا ہوتا ہے، تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اُس کی اللہ اکبر کے ساتھ لاکھوں انسان سجدہ میں گر پڑتے ہیں لاکھوں انسانوں کی پیشانیاں خدائے قدوس کے سامنے زمین پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ہر شخص سبحان ربی الاعلیٰ کہتا رہتا ہے، اور جب امام سجدہ سے سر اُٹھاتا ہے تو تمام مقتدی اسکی اقتدا کرتے ہیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد امام خطبہ پڑھتا ہے۔ خطبہ میں عید الفطر کے احکام بیان کرتا ہے۔ لوگ خاموشی کے ساتھ امام کا خطبہ سنتے رہتے ہیں۔ خطبہ سے فارغ ہو کر تمام مسلمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ آتے وقت جس راستے سے آتے تھے، واپسی کے وقت دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ آنے جانے کا ایک راستہ نہیں ہوتا مسلمانوں کی عید کا یہ مختصر خاکہ ہے۔ بتائیے اتنا مہذب اتنا سنجیدہ اتنا متین، اور اللہ جل جلالہٗ کی عبادت ہے اور اس کے سامنے اپنی ذلت و عاجزی کے اعتراف سے بڑھ کر آج دُنیا میں کسی قوم کا تہوار یا کسی قوم کی عید ہے۔ آج کل یورپ بڑی تہذیب اور شائستگی کا مدعی ہے ہندوستان کی غیر مسلم اقوام بھی اپنے مذہب کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہیں۔

لیکن اس شان کی عید اور اس شان کا یوم مسرت اور اس مرتبہ کا جشن آج تک کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ اس تیوہار میں نہ شراب ہے، نہ گانا، نہ گالی گلوچ نہ مار پیٹ۔ نہ گلال، نہ رنگا رنگ کی پچکاریاں۔ نہ ڈھولکی نہ ناچ۔ نہ آگ کی پرستش، نہ آفتاب کی پُوجا ہر قسم کی گندگی اور آلائش سے پاک، عید اگر کسی کی ہے تو وہ مسلمانوں کی عید ہے۔ اس عید پر جتنا فخر کیا جائے وہ کم ہے۔ یہ ہے خدائے پاک کا دین۔ اور یہ ہے خدا کے مقدس انسانوں کی تہذیب۔

عید کے فضائل

عیدالفطر کا مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی اہمیت اور اس دن کے فضائل، اس دن بے حساب مغفرت اور بے شمار ملائکہ کا ہجوم، روزہ داروں پر شفقت و کرم کا جو ذکر احادیث نبوی میں آتا ہے نقل کر دیا جائے۔ مسلمان اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ یہ دن فسق و فجور کا دن نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر، اور اس کے احسانات و انعامات کے اعتراف کا دن ہے۔ اس دن کسی ایسی حرکت کا وقوع نہ ہونا چاہیئے۔ جو اسلامی تہذیب اور دین الٰہی کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ

زینوا العیدین بالتھلیل والتکبیر والتحمید والتقدیس

عید کے دنوں میں بکثرت لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، والحمد للہ پڑھ کر تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تحمید کے ساتھ عید کے دنوں کو زینت دیا کرو۔
ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ شوال کی پہلی تاریخ اور ذی الحج کی دسویں۔ گیارہویں تاریخوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

صمار بنت بسر کی روایت میں ہے کہ اگر ان دنوں میں کوئی روزہ رکھ لے تو اس کو افطار کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔

عبداللہ بن سائب کی روایت میں ہے کہ تم لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں دو دن نیروز اور مہرجان عید کے مقرر کر رکھے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان دنوں کے بجائے تم کو اور دو دن دیئے ہیں۔ ایک عیدالفطر اور ایک عید ضحیٰ

حضرت ابی امامہ کی روایت میں ہے کہ عیدالفطر تو نام ہے۔ صدقہ فطر ادا کرنے اور نماز پڑھنے کا اور عید ضحیٰ نام ہے قربانی کرنے اور نماز پڑھنے کا۔

صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر گیہوں یا آٹا گیہوں کا، جو نماز سے پیشتر مساکین پر صدقہ کیا جائے۔ ہر اُس بچہ کی طرف سے بھی دیا جائے۔ جو عید کے دن صبح سے پہلے پیدا ہو جائے۔

عمرۃ بنت رواحہ کی روایت میں ہے کہ عیدالفطر اور عید ضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ زمین پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے۔ تم کو چاہیئے کہ تم ان دنوں میں گھر سے باہر نکلا کرو تاکہ اللہ کی رحمت کا نفع تم کو حاصل ہو۔

حضرت انس کی روایت میں ہے مَن قام لیلتی العیدین محتسبًا لِلّٰہ تعالیٰ لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب۔ جو شخص عیدین کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتا ہے تو اس کا دل اس دن زندہ ہوگا۔ جس دن لوگوں کے دل مر چکے ہوں گے۔ یعنی قیامت میں حضرت انس کی روایت میں بجائے قامہ کے احیا کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس شخص نے عیدین کے دنوں میں راتوں کو زندہ رکھا اور ان میں عبادت کی۔ اس روایت میں شعبان کی پندرھویں شب کا ذکر بھی ہے۔ یعنی عیدین کی دو راتیں، اور ایک پندرھویں شعبان کی

رات کو جس نے زندہ رکھا تو قیامت میں اس کا دل زندہ ہوگا۔

ابن کردوس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جو لوگ مدینہ سے دور ہیں وہ سواری پر آئیں۔ اور مدینے والے عید کی نماز کو پیدل جائیں۔ نماز کے لئے پیدل آنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔ نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا کرو۔ کیونکہ ہر شخص صدقہ فطر کا مقروض اور مدیون ہے۔

ابن عمر کی روایت میں ہے کہ حضور جب گھر سے چلتے تو عید گاہ پہنچنے تک تکبیر پڑھتے رہتے تھے۔

صاحب تحفۃ الاخوان نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص عید کی صبح کو تین سو مرتبہ سُبحان اللہ وبحمدہٖ پڑھ کر مسلمان مُردوں کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ ہر مُردے کی قبر میں ایک ہزار نور داخل کرتا ہے، اور جب یہ پڑھنے والا مرتا ہے تو اس کی قبر میں بھی نور داخل کئے جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص عید کی نماز سے پیشتر چار سو مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۰ پڑھ لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو چار سو غلام آزاد کرنے کا ثواب دیتا ہے۔ اور فرشتوں کی ایک تعداد مقرر کر دیتا ہے۔ جو جنت میں اس بندے کے لئے مختلف درختوں کی کاشت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں حسب ذیل دعا پڑھتے تھے:-

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ عِيْشَةً نَقِيَّةً وَّمِيْتَةً سَوِيَّةً وَّمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ وَّلَا فَاضِحٍ ۰ اَللّٰهُمَّ لَا تُهْلِكْنَا فَجَاءَةً وَّلَا تَاْخُذْنَا بَغْتَةً وَّلَا تُعْجِلْنَا عَنْ حَقٍّ وَّلَا وَصِيَّةٍ ۰ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفَافَ

وَالْغِنٰی وَالتُّقٰی وَالْهُدٰی وَحُسْنَ عَاقِبَةِ الْاٰخِرَةِ وَالدُّنْیَا وَ
نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّقَاقِ وَالرِّیَاءِ وَالسُّمْعَةِ فِیْ دِیْنِكَ یَا
مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔

حضرت انس اور سعد بن اوس انصاری کی روایت میں ہے۔ کہ عید کی صبح کو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اُمتِ محمدیہ کی طرف جائیں، چنانچہ وہ بکثرت گلی کوچوں کے ناکوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور امت محمدیہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔ اے اُمتِ محمدؐ اپنے پروردگار کی طرف نکلو۔ جو تھوڑے کام کو قبول کر لیتا ہے، اور بہت زیادہ مزدوری دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ اپنے رب کی طرف چلو، جو کریم ہے۔ جو خود ہی نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے اور پھر اُن کاموں میں بہت زیادہ ثواب دیتا ہے، تم کو روزوں کا حکم دیا گیا تھا۔ تم اُس کا حکم بجا لائے۔ تم نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی، آؤ اپنی مزدوری اور اُجرت حاصل کر لو۔

جب مسلمان عیدگاہ میں پہونچ جاتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں، تو حضرت حق ملائکہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

ما جزاء الاجیر اذا عمله

بتاؤ؟ جب کوئی مزدور اپنا کام کرے تو اُس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ایسے مزدور کی مزدوری ادا کر دی جائے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اشهدكم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب صیامهم من شهر رمضان وقیامهم رضائی ومغفرتی

اے میرے ملائکہ تم گواہ رہو۔ میں نے رمضان کے روزوں اور راتوں

کے قیام کے بدلے میں ان کو اپنے رضا اور مغفرت سے نواز دیا۔ پھر اپنے بندوں کی جانب متوجہ ہو کر فرماتے ہیں۔ مجھے اپنے عزّت و جلال کی قسم آج تم جو کچھ مجھ سے طلب کرو گے، اور اپنی آخرت کے متعلق جو مانگو گے وہ عطا کرونگا۔ اور دنیاوی امور میں سے جو کچھ طلب کرو گے۔ اس پر بھی ہمدردی کے ساتھ توجہ کرونگا۔ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرونگا۔ تم کو ذلیل و رسوا نہ کرونگا۔ انصرفوا مغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم۔ جاؤ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ تم سب کی مغفرت کر دی گئی۔ تم نے مجھ کو راضی کیا، اور میں تم سے راضی ہو گیا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

نادی مناد الا ان ربکم قد غفر لکم فارجعوا راشدین الی رحالکم۔ ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔ تمہاری بخشش کر دی گئی۔ جاؤ اپنے گھروں کو کامیابی اور بھلائی کے ساتھ لوٹ جاؤ۔

ایک روایت کا ٹکڑا یہ ہے قد غفرت لکم ذنوبکم کلھا میں نے تمہاری تمام خطائیں معاف کر دیں۔

زمین والے جس دن کو عید کہتے ہیں۔ آسمانوں میں اس دن کا نام یوم الجائزہ ہے۔ یعنی انعام تقسیم ہونے کا دن۔

حقیقی عید

اصل عید تو ان حضرات کی ہے جو آج کے دن معاصی سے محفوظ رہے۔ اور جن کے روزے قبول ہو گئے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں، مومن کی پانچ عیدیں ہیں۔

جس دن مسلمان گناہ سے محفوظ رہے، اور کوئی گناہ اس سے سرزد نہ ہو، وہ اکی عید کا دن ہے۔ جس دن ایک مسلمان دُنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جائے۔ اور مکائد شیطانی سے اس کا ایمان محفوظ رہے، وہ اس کی عید کا دن ہے جس دن ایک مسلمان دوزخ کے پل سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے وہ اس کی عید ہے۔

جس دن ایک مسلمان دوزخ سے بچکر جنت میں داخل ہو جائے وہ اس کی عید ہے۔ اور پانچویں عید یہ ہے کہ پروردگار عالم کے دیدار اور اُس کی رضا سے بہرہ یاب ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی نے عید کے دن دیکھا کہ آپ خشک روٹی کھا رہے ہیں۔ دیکھنے والے نے کہا اے ابو تراب آج عید ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری عید تو اُس دن ہے، جس دن کوئی گناہ نہ ہو۔

وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے عید کے دن روتے ہوئے دیکھ کر کہا ھٰذا یوم السرور والزینۃ

یہ تو مسرت اور شادمانی کا دن ہے۔ حضرت وہب نے فرمایا:۔

ھٰذا یوم السرور والزینۃ لمن قبل صومہ یہ خوشی کا دن اُس شخص کے لئے ہے جسکے روزے قبول ہو گئے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے عید کے دن نہایت پریشان حالت میں دیکھ کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ لوگ عید میں مشغول ہو کر وعید کو بھول گئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی عید کے فضائل و آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لیس العید لمن شرب و اکل انما العید لمن اخلص اللہ العمل ۔ عید ان لوگوں کی نہیں جو کھانے پینے میں مشغول ہو گئے ہیں ۔ عید ان لوگوں کی ہے ۔ جنھوں نے اپنے اعمال میں خلوص پیدا کیا ۔

لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن خاف الوعید
عید ان کی نہیں ، جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے کو آراستہ کر لیا ۔ عید تو ان کی ہے جو خدا کی وعید اور پکڑ سے ڈر گئے ۔

لیس العید لمن تبجر بالعود انما العید لمن تاب ولا یعود
عید ان کی نہیں ہے جنہوں نے آج بہت سی خوشبوؤں کا استعمال کیا ۔ عید تو ان کی ہے جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اس پر قائم رہے ۔

لیس العید لمن نصب القدور انما العید لمن سعد بالمقدور
عید ان کی نہیں ہے جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھا دیں اور بہت سے کھانے پکائے ۔ عید تو ان کی ہے جنھوں نے حتی الامکان نیک بننے کا عہد کر لیا ۔

لیس العید لمن تزین بزینۃ الدنیا انما العید لمن تزود بزاد التقوی
عید ان کی نہیں ہے جنھوں نے دُنیا کی زینتوں سے اپنے آپ کو آراستہ کیا ۔ عید تو اُن کی ہے جنھوں نے تقوی و پرہیز گاری کو اپنا توشہ بنالیا ۔

لیس العید لمن رکب المطایا انما العید لمن ترک الخطایا
عید ان کی نہیں ہے جو عمدہ عمدہ سواریوں پر سوار ہو کر نکلے ۔ عید ان کی ہے جنھوں نے گناہوں کو ترک کر دیا ۔

لیس العید لمن بسط البساط انما العید لمن جاوز الصراط
عید ان کی نہیں ہے ، جنھوں نے اعلیٰ درجہ کے فرش وفروش سے اپنے مکانوں کو آراستہ کیا ۔ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے گذر گئے ۔

عید کے متعلق اور بہت سے واقعات نقل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن مضمون بہت طویل ہوگیا ہے۔ اگر عید کے تفصیلی واقعات کو قلمبند کیا گیا تو مضمون اور طویل ہوجاتا اور بعض ایجاز و اختصار پسند طبائع کیلئے موجب ملال ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو اور دوسرے مسلمانوں کو عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار۔

عشرہ ذی الحجہ

یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک کے دس دن کو عشرہ ذی الحجہ کہتے ہیں۔ ان دس دن کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ عزوجل من ھذہ الایام یعنی ایام العشر قیل یارسول اللہ ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع بشیء یعنی ان دس دن (عشرہ ذی الحجہ) کی عبادت اللہ کو جسقدر محبوب ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے دنوں کی عبادت اتنی محبوب نہیں ہے۔ کسی نے دریافت کیا یارسول اللہ خدا کے راستے میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے اعمال کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا ان دنوں کا مقابلہ جہاد بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ کوئی شخص اپنا مال اور جان دونوں میدان جہاد میں قربان کر دے۔ دونوں میں سے ایک چیز بھی واپس نہ آئے۔

تو ایسا جہاد بیشک ان دنوں کے اعمال صالحہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ما من ایام اعظم عند اللہ ولا احب الیہ العمل فیھن من ھٰذہ الایام العشر فاکثروا فیھن من التھلیل والتکبیر والتحمید ۔ عشرہ ذی الحجہ کے نیک عمل دوسرے دنوں کے مقابلہ میں اللہ کو بہت پسندیدہ ہیں۔ پس ان دنوں میں لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر۔ الحمد للہ کی کثرت رکھو۔

ایک اور روایت میں ہے۔ ان افضل ایام الدنیا۔ ایام ھذہ العشر قیل یارسول اللہ ولا مثلھن فی سبیل اللہ قال الا من عفر وجھہ فی التراب یعنی تمام ایام دنیا میں سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن افضل ہیں۔ کسی نے عرض کیا۔ جو دن جہاد میں صرف ہوں وہ دن بھی ان دنوں کی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ فرمایا۔ ایسا جہاد تو ان دنوں کا مساوی ہو سکتا ہے۔ جس میں مجاہد کا چہرہ خون آلودہ ہو جائے۔ اور وہ میدان جہاد ہی میں قربان ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے۔ فی ھٰذہ ایام یعدل صیام کل یوم منھا صیام سنۃ وقیام لیلۃ منھا کقیام لیلۃ القدر عشرہ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ثواب میں ایک سال کے برابر اور رات کا قیام شب قدر کے قیام کے مساوی ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ارشاد ہے۔ من صام العشر فلہ بکل یوم صوم شھر ولہ بصوم الترویۃ سنۃ جس شخص نے دس دن کے روزے رکھے۔ اس کو ہر روزے کے بدلے میں ایک مہینہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور آٹھویں تاریخ کے روزے کا ثواب ایک سال کے برابر ہے۔

حضرت ابوقتادہ کی روایت میں نویں تاریخ کے روزے کو دوسال کے گناہوں کا کفارہ فرمایا ہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ الباقیۃ والماضیۃ۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ احتسب علی اللہ ان یکفرالسنۃ التی قبلہ والسنۃ التی بعدہ۔ یعنی یوم عرفہ کا روزہ ایک سال اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

عید کا دن اور اسکے مستحبات

عید ضحیٰ کی صبح کو بھی مثل عیدالفطر کے غسل کرنا مسواک کا استعمال کرنا۔ اچھے کپڑے پہنا خوشبو لگانا، عیدگاہ کی طرف پیدل چلنا۔ جانا اور راستہ سے، اور آنا اور راستہ سے۔ یہ تمام افعال مستحب ہیں، اور عید ضحیٰ میں بغیر ناشتہ کے عیدگاہ جانا مستحب ہے۔ راستہ میں تکبیر آواز کے ساتھ پڑھتے ہوئے جانا چاہیئے۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہ کی عصر تک

ہر فرض نماز کے بعد یہ تکبیر ایک مرتبہ فرض ادا کرنے والوں کو پڑھنی چاہیئے۔ اگر امام بھول جائے تو مقتدی بلند آواز سے تکبیر پڑھ کر اسے یاد دلادیں۔ جو شخص تنہا نماز پڑھے، اسے بھی یہ تکبیر پڑھنی چاہیئے۔ ان پانچ دن میں اگر کوئی نماز قضا ہو جائے۔ اور انہی دنوں میں اسے ادا کیا جائے تو اسکو

معہ تکبیر کے ادا کرنا چاہیئے۔

عید کی نماز

مثل عید الفطر کے دو رکعتیں مع چھ تکبیروں زوائد کے ادا کرنی چاہیئے۔
نیت کیلئے صرف اس قدر کافی ہے کہ عید الضحیٰ کی دو رکعتیں جو سنت موکدہ ہیں۔
مع چھ تکبیروں کے ادا کرتا ہوں۔ پہلی مرتبہ اللہ اکبر کہکر ہاتھ کانوں تک
اُٹھائیں اور ناف کے نیچے باندھ لیں۔ سبحانک اللھم پڑھیں۔ پھر اللہ اکبر
کہکر ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں، اور چھوڑ دیں۔ پھر چوتھی مرتبہ تکبیر کہتے ہوئے
ہاتھ اُٹھائیں، اور باندھ لیں۔ اب امام قرأت پڑھے، اور مقتدی خاموش کھڑے
رہیں۔ یہ چار تکبیریں ہوئیں۔ جن میں سے ایک تو یعنی پہلی تکبیر تحریمہ ہے۔
اور تین تکبیریں زائد ہیں۔ جب دوسری رکعت کے رکوع کا وقت آئے۔ تو
رکوع میں جانے سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اُٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر
تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اُٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ
اُٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اُٹھائے اللہ اکبر کہتے ہوئے
رکوع میں چلے جائیں۔ یہ بھی چار تکبیریں ہوئیں۔ ایک تکبیر تو رکوع میں
جانے کی ہے اور تین تکبیریں زیادہ ہیں۔ باقی نماز اپنی حالت پر ہے۔

مسبوق کا حکم

جو شخص امام کی تحریمہ کے بعد آکر ملے اُس کو چاہیئے کہ وہ ہاتھ اُٹھاکر
اپنی تکبیریں کہہ لے۔ لیکن اگر امام رکوع میں چلا گیا ہو تو پھر فوراً رکوع میں
مل جائے۔ اور بغیر ہاتھ اُٹھائے، رکوع ہی میں۔ تین بار اللہ اکبر کہہ لے

اگر ایک یا دو تکبیریں باقی تھیں کہ امام رکوع سے کھڑا ہو گیا تو یہ بھی امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ ایسی حالت میں تکبیریں ساقط ہو جائینگی۔ اگر کسی شخص کی ایک رکعت مستقل جاتی رہے اور دوسری امام کے ساتھ پڑھ لیے تو جب وہ اپنی پہلی رکعت فوت شدہ پڑھنے کھڑا ہو تو شروع میں تکبیریں نہ کہے، بلکہ رکوع میں جاتے وقت تکبیریں ادا کرلے۔ یعنی پہلی رکعت فوت شدہ مثل دوسری رکعت کے ادا کرے۔ لیکن اگر کسی کی دوسری بھی فوت ہو جائے، اور وہ دوسری کے رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہو تو پھر دونوں رکعتیں باقاعدہ مقررہ ترتیب سے ساتھ ادا کی جائیں گی۔

خطبہ کی مسنونیت

نماز کے بعد خطبہ ضرور سُننا چاہیئے۔ اگر فاصلہ پر ہو تو بھی اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ اور خطبہ ختم ہونے کے بعد عید گاہ سے نکلے۔ لوگوں پر سے پھلانگنا سخت مذموم اور گناہ کی بات ہے۔

قربانی اور اسکے ضروری مسائل

خدا کے ایک مخلص بندے نے، اب سے ہزار برس پہلے ایک ایسی ایثار و رضا کی مثال پیش کی تھی کہ قیامت تک کے لئے اُس کی تقلید لازم کر دی گئی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے۔ سُنّۃ ابیکم ابراھیم اس لئے فرمایا تھا کہ رُوحانی اولاد اپنے باپ سے اس مبارک فعل کی اہمیت پر غور کرے۔ اگرچہ اسوقت قربانی کے فلسفہ پر کوئی بحث کرنی نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کرنا ہے۔

کہ جس قوم میں قربانی کی رسم نہیں ہے وہ قوم زندگی ہی کی لذت سے ناآشنا ہے۔ مقصود بالذات توانسانی قربانی ہے۔ لیکن نہ وہ ہر وقت میسّر ہو سکتی ہے۔ نہ ہر روز اس کا موسم ہوتا ہے۔ نہ قانون اور حکومت اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہر شخص کو یہ لازوال دولت میسّر آسکتی ہے۔

حضرت فضیل بن عباس اور عبداللہ بن مُبارک

حضرت فضیل بن عباس رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں صوفیانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تبتل اور عزلت نشینی اختیار کر چکے ہیں۔ ذکر و شغل میں مشغول ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مُبارک درس حدیث میں منہمک ہیں، اور جب اس دینی تعلیم سے وقت ملتا ہے تو اللہ کے راستہ میں حقیقی قربانی کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میدان جہاد سے واپس آئے تو زخموں سے چُور تھے مجلس میں حضرت فضیل کی عبادت و ریاضت کا ذکر آگیا۔ تو اسی حالت میں قلم برداشتہ حضرت کو ایک خط لکھا، جس میں نثر کے ساتھ ساتھ ذیل کے اشعار بھی تھے۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا ... لعلمت انك فی العبادة تلعب

من کان یخضب خدہ بدموعه ... فنحورنا بدمائنا تتخضب

او کان یتعب خیله فی باطل ... فخیولنا یوم الصبیحة تتعب

ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا ... وهج السنابك والغبار الاطیب

ولقد اتانا من مقال نبینا ... قول صحیح صادق لا یکذب

لا یستوی وغبار خیل الله فی ... انف امرئ ودخان نار تلهب

هذا کتاب الله ینطق بیننا ... لیس الشهید بمیت لا یکذب

اے حرمین کے عابد اگر تو ہماری حالت کو دیکھتا تو یقیناً اپنی عبادت اور اعمال و اشغال کو ایک کھیل سمجھتا۔ بھلا ایک وہ جس کے صرف آنسو اُسکے رُخساروں پر بہ رہے ہوں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس کے سینہ پر اسکی گردن کا خون بہ رہا ہو۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا دوڑ کے میدان میں بھاگ رہا ہے۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جن کے گھوڑے میدان جہاد میں دشمنوں سے نبرد آزما ہیں۔ تم مشک اور عنبر کی خوشبوؤں سے فائدہ اُٹھا رہے ہو۔ اور یہاں میدانِ جہاد کا غبار ہے۔ یا نیزوں اور تلواروں کی لوکیں ہیں۔ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پہونچی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد کا غبار اور دوزخ کا دُھواں ایک دماغ میں نہیں جمع ہو سکتے۔

اے فضیل! اللہ کی کتاب میں بالکل صاف اور کھلا ہوا حکم موجود ہے کہ شہید کو موت نہیں آتی، اور نہ اُس کو مُردہ کہہ سکتے ہیں۔ فضیل نے جب اس خط کو پڑھا تو بے ساختہ چیخیں مار مار کر روئے۔

بہر حال اصلی قربانی تو یہی تھی۔ لیکن یہ قربانی بھی اس قربانی سے مناسبت رکھتی ہے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ہر سال قربانی کرتے رہو۔ تاکہ تم میں قربانی کا تذکرہ باقی رہے، اور وقت پر بالکل نئی چیز نہ معلوم ہو۔

ضروری مسائل

دسویں تاریخ کو بعد نماز عید اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل قربانی کرنا ہے۔ قربانی کے ہر ایک بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ قربانی کے خون کا ہر ایک قطرہ کفارۂ سیات کا سبب ہے۔

قربانی کے جانور کا ہر ایک عضو یہاں تک کہ اس کی کھال اور اس کے کھُر اور سینگ سب میزان عمل میں ہونگے۔ قربانی کرنا صراط پر عبور کرنے میں ممدو معاون ہوگا۔

قربانی ہر مالدار مسلمان پر واجب ہے، جانور کو ذبح کرتے وقت قربانی کی نیت کرنی ضروری ہے ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی۔ گاؤں اور دیہات کے رہنے والے جن پر عید کی نماز واجب نہیں ہے۔ دسویں تاریخ کی طلوع فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔ لیکن قصبات اور شہروں کے لوگ عید کی نماز سے پیشتر قربانی نہیں کر سکتے۔ میت کی جانب سے قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر مرنے والے نے قربانی کی وصیت کی ہو تو اس قربانی کا تمام گوشت صدقہ کر دینا واجب ہے۔ لیکن اگر بدوں وصیت کے قربانی کی جائے تو گوشت کا حکم وہی ہے۔ جو زندہ کی قربانی کا ہوتا ہے۔ یعنی ایک حصہ خیرات کر دینا اور دوسرا حصہ عزیز واقارب میں تقسیم کرنا، اور تیسرا حصہ اپنے استعمال میں لانا یہ طریقہ استحبابی ہے۔ اگر کوئی شخص تمام گوشت اپنے کام میں لے آئے یا تمام صدقہ کر دے تو بھی جائز ہے۔

ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہیں کرنا چاہیئے ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا چاہیئے۔ اگر ذبح کے وقت کوئی مسلمان تکبیر بھول جائے تو بھی جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ دس تاریخ کی صبح سے لیکر بارہ کی شام تک قربانی کا وقت ہے۔ رات میں قربانی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ قربانی ادا ہو جائے گی۔ بکری۔ بھیڑا، دُنبہ ایک آدمی کی طرف سے ایک ہوسکتا ہے۔ لیکن گائے، بھینس، اور اونٹ میں سات شخص شریک ہوسکتے ہیں۔

بکری بکرا ایک سال سے، اور بھیڑ، دُنبہ چھ ماہ سے۔ گائے دو سال

اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو۔ اگر اس عمر سے جانور کی نہ کم ہو گی تو قربانی ادا نہ ہو گی۔ اس عمر سے اگر زائد ہو تو افضل ہے۔ چھ ماہ کی وہ بھیڑ اور دنبہ جائز ہو گا۔ جو فربہ اور ہاتھ پاؤں کا اچھا ہو۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات آدمی سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ لیکن سات سے کم ہوں تو جائز ہے۔ ساتوں آدمیوں کی نیت تقرب الی اللہ کی ہونی چاہیے۔ اگر جہات مختلف ہوں تو مضائقہ نہیں۔ مثلاً ایک کی نیت قربانی کی ہو۔ دوسرے کی کفارہ کی، تیسرے کی عقیقہ کی۔

قربانی کا جانور سلیم الاعضا ہونا چاہیئے۔ اندھا۔ کانا۔ لنگڑا یا بہت زیادہ بیمار کان یا دم کٹا ہوا۔ ناک کٹی ہوئی وغیرہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی طرح زبان کٹی ہوئی۔ اگر کسی جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، یا سینگ کے خول ٹوٹ گئے ہوں۔ لیکن گودے پر زیادہ اثر نہ پہونچا ہو تو جائز ہے لیکن اگر پیدائشی کان نہ ہوں تو جائز نہ ہو گا۔ اگر کان ہوں لیکن چھوٹے چھوٹے ہوں، تو جائز ہو گا۔ دم یا کان کا تیسرا حصّہ یا تیسرے سے کم کٹا ہوا ہو تو جائز ہے۔ لیکن تیسرے حصے سے زائد کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں خصّی اور مقطوع الذکر جانور کی قربانی جائز ہے۔ آنکھ کی بینائی میں بھی تیسرے حصے کا اعتبار ہے۔ اون کترا ہوا جانور جائز ہے۔ اگر عید کے چاند میں شک ہو تو احتیاطاً گیارہ کی شام تک قربانی کرلیں۔ لیکن اگر باوجود شک کے بارہ کو قربانی کرلی تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کر دے جس طرح قربانی کے جانور کا گوشت کوئی چاہے۔ تو اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ اسی طرح جانور کی کھال کا بھی استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن روپے پیسے کے بدلے میں فروخت نہ کرے۔ اگر کسی شخص نے قربانی کے جانور کی کھال فروخت کردی تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو گا۔ اور اس صدقہ کا حکم مثل

زکوٰۃ کے ہوگا۔ البتہ یہ اختیار ہوگا کہ ایک کھال یا چند کھالوں کی قیمت ایک ہی مسکین کو دیدے۔ یا کھال کی قیمت چند مسکینوں پر صدقہ کرے۔ اگر سالم کھال صدقہ کر دے تو جائز ہے۔

قربانی ہر اُس شخص پر واجب ہوگی۔ جو حوائج اصلیہ اور حاجت ضروریہ کے علاوہ مقدار نصاب کا مالک ہو۔ وجوب صدقہ فطرہ اور وجوب ضحیہ دونوں کا نصاب مساوی ہے۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۶ء

مدینہ طیبہ کے یتیم کی عید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک دفعہ عید الفطر کا دوگانہ ادا کرنے کی غرض سے مصلےٰ (عیدگاہ) تشریف لے جارہے تھے۔ مدینہ کی بعض گلیوں میں سے جب آپ گذر رہے تھے تو آپ نے ایک مقام پر بچوں کو دیکھا کہ عید کی خوشی میں مشغول ہیں۔ بچوں پر مسرت اور ترو تازگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد اور تہنیت کا پیغام دے رہا ہے۔

انہیں بچوں میں ایک بچہ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس خاموش بچے کے چہرے پر افسردگی تھی، رنج تھا۔ چہرے پر اداسی چھا رہی تھی۔ وہ بچہ بچوں میں شریک تھا۔ لیکن اس کا دل غم والم کی کسی ایسی وسیع وادی کے قطع کرنے میں مبتلا تھا۔ جس کے باعث اُسے یہ خبر نہ تھی کہ آج کونسا دن ہے۔ اور میں کہاں ہوں تمام مسرتوں سے یکسر محروم تھا، وہ دوسرے بچوں کو ہنستے اور کھیلتے دیکھتا تھا، لیکن اس کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ کون ہنس رہے ہیں۔ اسے کبھی کبھی دوسروں کے خوش ہونے پر تعجب ہوتا تھا۔ اور وہ حیرت کے ساتھ ایک ایک کا منہ تکتا تھا۔ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ تم اپنی خوشی میں اس بچے کو کیوں شریک نہیں کرتے۔ بچوں نے عرض کیا ہماری تمام کوششیں اور ہماری تمام مساعی بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔ ہم جسقدر اس بچہ کو خوش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اُسی قدر اس کو وحشت اور نفرت بڑھتی ہے۔ ہم اس کے سامنے جب عید کا ذکر کرتے ہیں تو یہ حیرت و استعجاب سے ہمارا منہ تکتا ہے۔ ہم اس کو زیادہ مجبور اس لئے بھی نہیں کرتے کہ اگر ہم اس سے زیادہ کہتے ہیں تو یہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کی یہ باتیں سُننے کے بعد اس مغموم اور رنجیدہ بچہ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس بچہ سے دریافت کیا صاحبزادے تمہیں خبر ہے۔ آج عید کا دن ہے۔

تم زمانہ جاہلیت میں عید منایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غیر شرعی عید کے بدلے میں تمکو حقیقی عید عطا فرمائی ہے۔ یہ دن خوشی کا ہے مسرت کا ہے، اس دن اللہ تعالیٰ روزے داروں کو ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس غمزدہ بچے نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں سُنکر نہایت مغموم لہجہ

میں کہا اے نصیحت کرنیوالے تجھے میرے مصائب کی خبر نہیں تیری باتیں میرے دل کو اذیت پہنچاتی ہیں تو یہ نصائح کسی اور کو کر تیری تسلیاں مجھے اطمینان نہیں بخش سکتیں۔ چونکہ یہ بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف نہ تھا۔ اس نے یہ نہایت ہی بے اعتنائی کے ساتھ حضور سے گفتگو کی،

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مغموم بچہ کی یہ تمام باتیں سنتے رہے۔ اور پھر آپ نے فرمایا۔ صاحبزادے وہ تیرے مصائب کیا ہیں۔ وہ صدمہ کون سا ہے۔ جس نے تجھکو دنیا کی تمام لذتوں اور خوشی کے تمام مواقع سے محروم و مجبور کر دیا ہے۔ بچہ نے کہا اے شخص میرا باپ ایک غزوہ میں شہید ہو چکا ہے۔ میری ماں نے دوسرا نکاح کر لیا، سوتیلے باپ نے مجھکو گھر سے نکال دیا ہے۔ نہ میرا باپ ہے اور نہ میری اسو قت کوئی ماں ہے۔ نہ میرے پاس کپڑے ہیں۔ اور نہ میرے کھانیکا کوئی انتظام ہے۔ ایسی حالت میں مجھے عید کی کیا مسرت ہو سکتی ہے۔ عید تو ان بچوں کی ہے۔ جن کو ماں باپ کے آغوش تربیت حاصل ہے۔ اور جو کھانے کپڑے سے بے نیاز ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ کی دردناک داستان سے اسقدر متاثر ہوئے کہ رحمۃ اللعالمین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپنے فرمایا۔ اے بچے کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ تیرے باپ کی بجائے محمدؐ تیرا باپ ہو جائے، اور ماں کی بجائے عائشہ تیری ماں بن جائے۔ فاطمہ تیری بہن ہو اور حسن حسین تیرے بھائی ہوں۔ بچہ نے یہ سُنکر عرض کیا یا رسول اللہ آپ جیسے باپ پر ہزاروں باپ قربان اور عائشہ صدیقہ جیسی ماں پر ہزاروں مائیں نثار، اور فاطمہ زہرہ اور حسن حسین پر ہزاروں بھائی بہن قربان

میں اس کو پسند ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ان ماں باپ بہن بھائیوں پر فخر کرتا ہوں۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس بچہ کو اپنے ہمراہ لے لئے اور حضرت عائشہ سے فرمایا، اس کو کھانا کھلاؤ اس کو کپڑے پہناؤ یہ یتیم ہے۔ اس کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کی مسرت پنہاں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بچہ کو کھانا کھلایا کپڑے پہنائے بچہ کا غم مسرت، اور رنج خوشی سے بدل گیا۔ جب دوسرے بچے اس تبدیلی کی وجہ دریافت کرتے تو یہ فخر سے کہا کرتا میں بن باپ کا تھا میرے باپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے۔ میری ماں نہ تھی اب میری ماں حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ میرے بہن بھائی نہ تھے اب حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے بھائی اور بہن ہیں۔ میرے پاس کپڑے نہ تھے۔ اب میں نئے کپڑوں سے ملبوس ہوں میں بھوکا تھا۔ لیکن اب میں سیر ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور آپ کے الطاف کریمانہ نے میرے مصائب و آلام کو مسرت اور شادمانی سے مبدل کر دیا۔

اب میں جسقدر بھی خوشی کا مظاہرہ کروں وہ کم ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں یہ بچہ آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں رہا۔ اور آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی کفالت فرمائی اور اس کی ضروریات زندگی کا انتظام فرماتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال اور آپ کی وفات کے بعد یہ بچہ نہایت کرب و مصیبت سے روتا تھا اور کہتا تھا۔ الان صرت غریبًا الان صرت فقیرًا الان صرت یتیمًا۔ میں اس وقت غریب ہو گیا۔ میں آج فقیر ہو گیا۔ میں آج یتیم ہو گیا۔ حضرت صدیق کی وفات کو

اہلِ مدینہ میں یہ لڑکا سب سے زیادہ محسوس کر رہا تھا۔
کاش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس تعلیم سے مسلمان سبق حاصل کریں اور عید کے دن اپنی برادری اور اپنے رشتہ داروں کو اور اپنے محلہ کو فراموش نہ کریں اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک اور رواداری کی روایات کو زندہ رکھیں۔

شاہانِ مُغلیہّ کی اولاد

گذشتہ دنوں اخبار الجمعیتہ میں بعض مضامین حضرت بہادر شاہ خُلد آشیانی کی اولاد کے متعلق شائع ہوئے ہیں، اور چونکہ ان مراسلات اور مضامین کا تعلق حسب و نسب کے ساتھ تھا۔ اس لئے مضامین کے بعض حصّوں سے اگر ایک گروہ کو اتفاق تھا تو دوسرے گروہ کو قدرتاً اختلاف تھا۔ جب میں جیل سے رہا ہو کر دہلی پہونچا تو میرے سامنے شاہی خاندان کے بعض افراد نے الجمعیتہ کے مضامین کا ذکر کیا۔ اگرچہ اس قصّہ کی ابتداء مغل میگزین کے ایک مضمون سے ہوتی تھی، لیکن سب سے زیادہ اعتراض الجمعیتہ کے اس مضمون پر ہے۔ جو ۱۹ دسمبر کے پرچہ میں بعنوان شہزادگان دہلی میں اختلاف شائع ہوا ہے، جس میں الجمعیتہ کے نائب مدیر نے کسی صاحب کا ایسا قول نقل کر دیا تھا جو اس خاندان کے کسی خاص فرد کے متعلق نجابت کا انحصار کرتا تھا۔ اگرچہ اس محترم خاندان کی نجابت و شرافت پر تنقید ہی میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔

میرے نزدیک تو اس خاندان کا ہر متنفس قابلِ احترام ہے۔ خواہ اس خاندان کی حالت آج کل کتنی ہی عبرت انگیز اور المناک کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ انقلاب میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة دماضی کے شرفاء اور عزت دار اگر آج زمانہ کے انقلابی ہاتھوں سے ذلیل ہو گئے ہیں تو عہد حاضر کے عزت داروں کی کون ذمہ داری کر سکتا ہے کہ عہد مستقبل میں زمانہ ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ ہمیشہ یہی ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ دہلی کے پرانے خاندانوں میں سے شاید ہی کوئی خاندان ایسا ہو جو قلعہ معلیٰ کے رہنے والوں کا مرہونِ منت نہ ہو۔ ایسی حالت میں مجھ جیسے نیاز مند کو کیا حق ہے کہ میں اس خاندان کے متعلق لب کشائی کر سکوں۔ صرف اسقدر واقف ہوں کہ میری حقیقی دادی مسماۃ کبیر النساء بیگم کے پاس اس خاندان کے کچھ شجرے محفوظ تھے جو ۱۸۵۷ء میں ان کے والد حکیم اللہ یار خاں صاحب (شاہی طبیب) دہلی سے فرار ہوتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اور انکے انتقال کے بعد وہ تمام کاغذات ان کے صاحبزادے حکیم مسیح اللہ خاں صاحب کے پاس محفوظ تھے۔ حکیم مسیح اللہ خاں کی وفات کے بعد میری دادی صاحبہ اپنی سسرال لے آئی تھیں۔ اور میرے رنگون جاتے وقت وہ تمام شجرے میرے پاس تھے۔ جب میں رنگون گیا تو اس وقت رونق جہاں بیگم زندہ تھیں، رونق زمانی بیگم بہادر شاہ کی پوتی تھیں۔ میں نے وہ تمام شجرے رونق زمانی بیگم کو دکھلاکر تصدیق کرائی تھی، اور بادشاہ مرحوم و مغفور کی بعض بیویوں کے متعلق رونق زمانی بیگم کے بعض خیالات بھی قلمبند کئے تھے۔ ان تمام حالات میں معلومات کا بہت سا ذخیرہ تھا۔ بلکہ خاصی اچھی ایک مختصر

سی تاریخ تھی لیکن افسوس ہے کہ رنگون میں مجھ پر اور میرے رفقا پر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا گیا۔

اگرچہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی واپسی کے بعد وہ دفعہ واپس لے لی گئی۔ لیکن پھر بھی جب میں رنگون سے چلا تو پولیس کی تلاشی کے باعث وہ تمام کاغذات کہیں گم ہو گئے، اور آخر میں اس محترم خاندان کے متعلق اپنے خاندانی مستندات کی بنا پر کچھ عرض کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اس قدر ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ الجمعیۃ کے نائب مدیر نے نجابت و شرافت کو کسی خاص فرد کے ساتھ منحصر کر دینے کے متعلق جو قول نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے افراد و اشخاص کے شجرہ و نسب کو مطالعہ کرنے سے یہ عمل ظاہر ہو سکتا ہے۔

بعض اور حضرات بھی دہلی میں ایسے موجود ہیں جن کو نجیب الطرفین کہا جا سکتا ہے۔ کسی ایک شخص کی نجابت دوسرے لوگوں کی عدم نجابت کو مستلزم نہیں ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان چند سطور کے بعد اس محترم خاندان کے افراد کو کوئی شکایت باقی نہ رہے گی۔ آخر میں جملہ متعلقین حضور مرحوم مغفور کی خدمت میں مودبانہ گذارش ہے کہ آئندہ اگر اس قسم کے مباحث سے احتراز کیا جائے تو یہ امر وابستگان حضرت ظل الٰہی کے لئے موجب مسرت و ابتہاج ہو گا۔ نیز اس قسم کے مباحث شرعاً و اخلاقاً محمود بھی نہیں ہیں لہٰذا ہر اعتبار سے اجتناب ہی مناسب ہے۔

هو اعلم بكم اذ انشاكم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امهتكم فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى

رحمۃ للعلمین

تاریخ میں ایک زمانہ ایسا بھی گزر چکا ہے۔ جب وحشت و بربریت کی تاریکیاں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں اور انسانیت اور آدمیت کا نام دنیا سے مفقود ہو گیا تھا۔ روم اور ایران و یونان اور مصر و ہندوستان اور چین، یکساں طور پر کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، روم اور یونان کا فلسفہ خاک میں مل چکا تھا۔ ایران اور مصر کا تمدن تباہ ہو چکا تھا، ہندوستان اور چین کی تہذیب ایک قصۂ پارینہ بن گئی تھی، لوگ اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گئے تھے، مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا یہودیوں نے پروردگار عالم کو چھوڑ کر دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی تھی، زردشتیوں نے ایک خدا کے دو خدا بنا لئے تھے۔ غرض تمام روئے زمین پر کوئی ایک جگہ بھی ایسی نہ تھی۔ جہاں خدائے واحد کی عبادت کرنے والے موجود ہوں۔ ہر طرف فساد پھیلا ہوا تھا۔ ہر طرف جنگ جدل کا بازار گرم تھا، دُنیا امن سے محروم ہو گئی تھی، طاقتوروں نے کمزوروں کو دبا لیا تھا۔ انسانوں کی آبادیاں، آقاؤں اور غلاموں میں تقسیم کر دی گئی تھیں زندگی کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ دنیا کس کس تباہ کن انجام کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ بالخصوص ملک عرب کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔ دُنیا کی کوئی بداخلاقی ایسی نہ تھی جو عربوں میں موجود نہ ہو، وہ تمام بُرائیاں جو دوسرے ممالک میں فرداً فرداً پائی جاتی

تھیں عرب میں ایک جگہ جمع ہو گئی تھیں۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا، سوتیلی ماؤں کے ساتھ نکاح کر لینا۔ حسد و انتقام کی آگ کو سالہا سال تک مشتعل رکھنا۔ اور ذرا ذرا سی باتوں کو خونریز جنگوں کا بہانہ بنا لینا گویا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ اس اعتبار سے اگر ہم عرب کو اس زمانہ کا تاریک ترین خطہ کہیں تو غلط نہ ہوگا۔

جن مؤرخین نے اس عہد کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے، اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و علل پر فلسفیانہ نظر ڈالی ہے۔ ان کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسوقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص ایک لحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ قدرت اس عالمگیر تاریکی کو روشنی سے بدلنے کیلئے جو مصلح اعظم پیدا کرے گی اس کا مولد عرب جیسے ناقابل اصلاح ملک میں تجویز کیا جائیگا۔ لیکن قدرت کی مصلحتیں ہمیشہ انسانی عقل سے بالاتر رہی ہیں۔ فلسفہ کی رسائی محدود ہیں۔ اس لئے یکایک دُنیا کے سامنے ایک ایسا غیر متوقع اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ جس نے آجتک مؤرخین عالم کو انگشت بدنداں بنا دیا ہے۔ جہالت و حیوانیت کی تاریکیاں، جب اپنے انتہائی نقطہ پر پہونچ گئیں۔ تو دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول مکہ مکرمہ میں اس آفتاب رسالت کا طلوع ہوا جو تمام دُنیا کے لئے شمع ہدایت بن کر آیا تھا۔ اور جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک تمام روئے زمین کو اپنے لمعات و انوار سے منور کر دیا۔ یہ وُہی نبی بر حق (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ جس کی شہادتیں توریت اور انجیل میں موجود تھیں، جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ جس کی دُعا حضرت خلیل اللہ نے مانگی تھی۔ اور جس کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سنائی گئی تھی۔

دنیا جانتی ہے کہ جس وقت حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ورود دنیا میں ہوا اسی وقت سے زمانہ نے کروٹ بدلنا شروع کر دی اور چند سال کی مدت میں ارتقا کی وہ تمام منزلیں طے کر لی گئیں، جن کے لئے فلسفیوں نے صدیاں مقرر کی ہیں۔

دُنیا کی مشکلات میں سے کوئی مشکل ایسی نہ تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سدراہ نہ ہوئی ہو۔ کفار مکہ نے اپنی وحشت وجہالت کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ اور ایذا رسانی کی جسقدر صورتیں ممکن تھیں، وہ سب اختیار کیں۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ سرور کائنات کے ساتھ گستاخیاں اور بدسلوکیاں کی گئیں۔ لیکن اس کے جواب میں صبر واستقلال، اور عفو وتحمل سے کام لیا گیا، اسکی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں مل سکتی۔ نبی اکرم صلعم نے اپنے دشمنوں کو دعائیں دیں اپنے مخالفوں کے ساتھ ہمدردی کی اور آپ نے حملہ آوروں کو سینہ سے لگایا۔ اس طرح ان کے قلوب جو پتھر کی مانند سخت تھے موم کی طرح نرم ہو گئے۔ وہی جماعتیں جو پہلے خون کی پیاسی تھیں اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اور وُہی صحابہ جو پہلے جان کے خواہاں تھے۔ اپنی جان چھڑکنے لگے۔ دُنیا نے دیکھ لیا کہ عرب قوم کا کیرکٹر بالکل بدل گیا۔ ان کی کینہ پروری، ان کے جذبۂ انتقام، ان کی آتش حسد ان کی جملہ صفات بہیمیہ کی اصلاح دُنیا کے مصلح اعظم نے اس طرح کر دی، گویا وہ ان میں موجود نہ تھیں اور اس طرح جب دُنیا کی سب سے زیادہ گمراہ اور سب سے زیادہ تاریک خیال قوم اصلاح کے بعد۔ ایک خدا پرست مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ قوم بن گئی، تو اس کے ذریعہ دُنیا کے چپہ چپہ میں خدائے واحد کے دین برحق کی اشاعت وتبلیغ کا کام انجام دیا۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے توجہ نہ فرمائی ہو۔ اور جس کے متعلق اپنے اقوال و اعمال سے ایک ایسا ذخیرہ نہ چھوڑ دیا ہو۔ جو بنی انسان کی دائمی رہنمائی کے لئے کافی و وافی ہو سکتا ہو۔ آپ کی حیات طیبہ اپنے اندر ایک بادشاہ کے لئے ایک حاکم کے لئے ایک جنرل کے لئے ایک فاتح کے لئے۔ ایک غریب کے لئے، ایک امیر کے لئے، ایک مقنن کے لئے، ایک شوہر کے لئے، ایک دوست کے لئے، ایک مخالف کے لئے غرض ہر حیثیت کے لئے اور ہر مرتبہ کے انسان کے لئے یکساں ہدایت رکھتی ہے۔ اسی طرح ہر ملک اور ہر شہر کا باشندہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں سیرت مبارکہ سے روشنی حاصل کر کے اور اپنی دینی و دنیاوی نجات کے لئے سامان مہیا کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں غریبوں، یتیموں، بیواؤں بیکسوں اور لاوارثوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیگا۔ اور اسلام و مسلمانوں کے متعصب مخالفین سے بھی ہمیشہ خراج تحسین وصول کرتا رہےگا۔ یورپ کے مورخین۔ جب ان واقعات کو قلمبند کرتے ہیں۔ جن میں حضور انور نے کسی بیوہ کی امداد کی ہے یا کسی یتیم کو سہارا دیا ہے، یا کسی حاجتمند کی حاجت روائی کی ہے تو ان کی تحریر میں خود بخود ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقت میں قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کو "رحمۃ للعلمین" کا خطاب بالکل صحیح دیا ہے۔ آپ بیشک رحمت مجسم تھے آپ کا قلب بے انتہا رقیق تھا، آپ کی رحمتیں عام تھیں آپ کے احسانات بے شمار تھے، آپ کی سیرت مبارکہ پڑھ پڑھ کر آج تک ہزاروں لاکھوں غیر مسلموں کے قلوب اسلام کی حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ آپ کی رحمتیں صرف افراد تک ہی محدود نہ تھیں۔ آپ کے احسانات

سے قوموں کی گردنیں بھی جھکی ہوئی ہیں اور قیامت تک جھکی رہیں گی۔ قیصر وکسرٰے کی شہنشاہیت کو فنا کرنے والا سوائے آپ کے اور کون تھا غلاموں کو غلامی سے نجات دلاکر آزادی کی زندگی کا مزہ سوائے آپ کے اور کس نے چھکایا۔ جبوقت ایشیا سویا ہوا تھا، جس وقت افریقہ اور یورپ میں وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا۔ اسوقت فاران کی چوٹی سے آپ نے وہ صدا بلند کی جو تمام دُنیا کے لئے پیغام حریت ثابت ہوئی، جن لوگوں نے یورپ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر اسلام کی تعلیمات اور افریقہ اور امریکہ سے ہوتی ہوئی اسپین واٹلی میں نہ پہونچتیں اور مسیحی دُنیا کو خرمنِ اسلام سے خوشہ چینی کا موقع نہ ملتا تو آج یورپ کے باشندے افریقہ کے وحشیوں سے زیادہ وحشی، اور ہندوستان کے گونڈوں اور بھیلوں سے زیادہ غیر متمدن نظر آتے، تاریخ نے بتادیا ہے کہ دُنیا میں امن وامان قائم رکھنے کا اگر کوئی طریقہ ممکن ہے تو صرف یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اسلام بنی نوع انسان کے لئے سب سے بڑی رحمت ہے۔

مسلمانوں نے جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات پر عمل کیا تمام عالم میں ان کا ڈنکا بجتا رہا۔ اور اگر وہ آج بھی اپنے ہادیٔ برحق کی سیرت مبارکہ کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنالیں تو دین اور دُنیا دونوں میں ان کی نجات یقینی ہے +

۹ راگست ۱۹۳۰ء
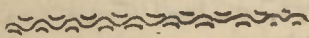
ایک طالبِ حق کو حق کی تلاش

حیاتِ خلیل پر ایک نظر

معرفت الوہیت و وحدانیت کے لئے قدرت نے جس طرح انسان کو جوہر عقل سے آراستہ کیا ہے اُسی طرح عالم کو گوناگوں عجائب و غرائب سے مزین فرمایا ہے۔ تاکہ ایک صحیح العقل انسان ان قدرتی مظاہر سے نہایت آسانی کے ساتھ صانع عالم کے وجود پر استدلال کر سکے، اور ایک ہلکی سی نظر اور تھوڑی سی توجہ کے ساتھ توحید باری اور اسکی الوہیت کا قائل ہو سکے۔ اگر عقل سلیم ان مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے کافی نہ ہوتی یا موالید ثلاثہ اور اجرام فلکیہ میں رہنمائی کی اہلیت نہ ہوتی تو آسمانی کتب میں عموماً اور خدا کے مقدس کلام اور آخری کتاب میں خصوصاً نہ تو انسانی عقل سے اپیل کیا جاتا، اور نہ امور معلومہ سے امور مجہولہ کے تصوّر و تصدیق کی تکلیف دیجاتی، اور جب دعاوی پر دلائل سے اجتناب ہوتا، تو تمثیلات جو محض وضاحت دلائل کے لئے استعمال کی جاتی ہیں وہ بھی بیکار ہو جاتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

بلکہ کتب سماویہ اس قسم کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً دلائل کا ذکر کرتے ہوئے۔

ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ۰ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون
ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار ۰ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لاولی الالباب ۰
ان فی ذٰلک لاٰیٰت للمتوسمین ۰

بیشک ان چیزوں میں اہل فکر کے لیے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ ان بیانات میں اہل عقل کے لئے بکثرت دلائل۔ ان باتوں میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔ اہل عقل کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ اہل علم اور اہل عقل کے ان میں نشانیاں موجود ہیں۔

فرمانا عقول انسانی سے اپیل نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح جابجا مصنوعات ومخلوقات سے ان الفاظ میں استدلال فرمایا ہے:۔

ومن اٰیاتہ ان خلقکم من تراب۔ ثم اذا انتم بشر تنتشرون

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے، پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

والانعام خلقہا لکم فیہا دفء ومنافع ومنہا تاکلون و لکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرءوف الرحیم۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون۔

اور چوپائے بنادیئے تمہارے واسطے اُن میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تم کو اُن سے عزت ہے۔ جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور

جب چرانے لیجاتے ہو۔ اور اُٹھائے چلتے ہیں بوجھ تمہارے اُن شہروں تک کہ تم نہ پہونچتے وہاں مگر جان مار کر بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے پیدا کئے اور خچر ہیں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو۔ اور زینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"

جمادات کے وجود سے اس طرح استدلال فرماتے ہیں۔

وجعلنا فیھا رواسی شمخت

" اور ہم نے زمین کے دباؤ کیلئے اس میں بلند پہاڑ بنائے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا کہ :۔

الم نجعل الارض مھاداً والجبال اوتاداً۔ " کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں۔

نشاۃ ثانیہ پر نباتات کی روئیدگی سے استدلال کیا گیا ہے۔

فاخرجنا به من کل الثمرات کذلک نخرج الموتیٰ لعلکم تذکرون

"پھر اُس سے نکالتے ہیں۔ سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو تاکہ تم غور کرو۔"

وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج۔

" اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی۔ پھر جہاں ہم نے اتارا اُس پر پانی، تازی ہو گئی اور اُبھری اور اُگائیں ہر قسم کی رونق کی چیزیں۔"

ومن ایاته انك تری الارض خاشعة فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت ان الذی احیاھا لمحی الموتیٰ۔

اور ایک اُس کی نشانی یہ ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب

اُتارا ہم نے پانی۔ تازی ہوئی اور اُبھری بینک جس نے زندہ کیا اُسکو زندہ کریگا مُردوں کو۔

موالید ثلاثہ کے ساتھ ساتھ عالم علوی سے استدلال ملاحظہ ہو۔

افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنینھا۔ وزینھا وما لھا من فروج

"کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اسکو بنایا، اور رونق دی اور اُس میں نہیں کوئی سُوراخ۔"

اجرام فلکیہ کو کس بہتر ین طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔

والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون

"اور چاند کو ہمنے بانٹ دی ہیں منزلیں، یہانتک کہ پھر آرہا جیسے ٹہنی پُرانی نہ سورج سے ہو کہ پکڑلے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پھرتے ہیں۔

اجسام فلکیہ میں سب سے بڑے جسم کی تسخیر و تذلیل سے اپنی توحید پہ استدلال کا عجیب و غریب طرز اختیار کیا ہے۔

قل ارائیتم ان جعل اللہ علیکم الیل سرمدا الی یوم القیمۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون قل ارایتم ان جعل اللہ علیکم النھار سرمدا الی یوم القیمۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون۔

"تو کہہ دیکھو تو اللہ رکھدے رات تم پر ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی، پھر کیا تم سُنتے نہیں، تو کہہ دیکھو تو اگر رکھدے اللہ تمپر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک، کون حاکم ہے اللہ کے سوا کہ لادے تم کو رات جس میں آرام کرو۔ پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔

ان دلائل کو مختلف مثالوں سے جابجا تفصیل کے ساتھ واضح بھی فرمایا ہے۔ جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ اگر کوئی ذی عقل انسان موجودہ مخلوقات پر ایک نظر منصفانہ لیکن غور و فکر سے لبریز نظر ڈالے تو وہ آلہیات کے متعلق ایک ایسے نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے جو رفع درجات کے لئے نہ سہی لیکن نجات کے لئے تو ضرور کافی ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت

ممکن ہے یہ شبہ کیا جائے کہ اگر عقل صحیح الٰہیات کے مسئلہ میں رہنما بن سکتی تھی تو انبیاء کی تشریف آوری کے لئے کونسی ضرورت داعی تھی یہ شبہ یقیناً اس وقت صحیح ہو سکتا تھا۔ جب دنیا فطرہ سلیمہ اور عقل صحیح کا جائز استعمال کرتی۔ افسوس تو اسی کا ہے کہ لوگوں نے اس نعمت خداوندی کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ خداداد عقل و دانش کا استعمال جسقدر مادیت کے حصول میں کیا گیا اگر اس کا عشر عشیر بھی صانع کائنات اور خالق موجودات کی ہستی اور اس کی وحدانیت پر غور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تو یقیناً آج دنیا کے انسان ایک ایسی راہ پر ہوتے جس سے نہ صرف دنیاوی زندگی میں امن و اطمینان حاصل ہوتا بلکہ وہ راستہ خالق کی نظر میں بھی محبوب ترین اور صراط مستقیم شمار کیا جاتا۔ انبیاء کی ضرورت یا تو بالکلیہ مرتفع ہو جاتی۔ یا اگر باقی بھی رہتی تو رفع درجات اور تقرب عند اللہ کیلئے رہ جاتی۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس قدسیہ سے تو انسانی عقول کسی حالت میں بھی استغنار تام نہیں حاصل کر سکتی تھیں۔ لیکن پھر بھی ان آنے والے برگزیدہ حضرات کے مصائب میں بہت کچھ کمی واقع

ہو سکتی تھی۔ دُنیا نے فجور اور تقویٰ کی دو راہوں میں سے خطرناک راستہ اختیار کیا وہ بجائے۔ قد افلح من زکھا کے قد خاب من دسھا کے مصداق بنے۔ یہ خدائے رؤف و رحیم کا کرم تھا کہ اس نے کفر و طغیان کے اس امڈتے ہوئے سیلاب کو مسدود کرنے کی غرض سے ارواح طیبہ اور نفوس قدسیہ کا نزول فرمایا تاکہ وہ گمراہوں اور سرکشوں کو ان کے طغیان و عدوان سے متنبہ فرمائیں اور ان کو بتائیں کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کس طرح غلط اور ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں مخلوئے عزوجل کی یہ مہربانی ہے کہ اس نے محض عقول انسانی پر اپنے محاسبہ کی بنیاد قائم نہیں فرمائی، ورنہ اندیشہ تھا کہ سوائے چند نفوس کے کسی ایک کو بھی ابدی نجات کی ہوا نہ لگتی، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی اس روک تھام کے باوجود بھی ان معصوموں کے ساتھ ابن آدم کی سرکشی نے جو سلوک کیا وہ ظاہر ہے۔ یہ بدنصیب خود تو اپنی فطرۃ سلیمہ سے کیا کام لیتے۔ رونا تو یہ ہے کہ خدا کے نبیوں کی پند و نصائح کے باوجود بھی غور و فکر کیلئے تیار نہ ہوئے غلط راستہ پر نہ صرف اعتماد کیا بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت پیش کیا۔ صحیح راستہ بتانیوالوں کے لئے رُوحانی اور جسمانی تکالیف کا سامان مہیّا کرنے میں تمام عقل خرچ کر دی۔ الوہیّت و وحدانیّت کے اقرار کی بجائے خود مصنوعات کو مؤثر بالذات سمجھ کر ان کی پوجا میں مشغول ہو گئے۔ جب انبیاء کی موجودگی میں ان بیوقوفوں نے عقل کی دولت کو اس بیدردی سے برباد کیا تو بھلا ان کی عدم موجودگی میں نہ معلوم یہ ظالم کیا کھتے اسی بنا پر ہر زمانے کے نبی نے اپنی اپنی قوم کی نبض شناسی کرتے ہوئے اپنی قوم کے بچر اور لیچ دلائل کو بیکار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور اپنی قوم کو یہ بتایا ہے کہ جن چیزوں سے تم شرک کی بلا میں مبتلا ہوتے ہو وہ ہی چیزیں تم کو ہدایت

اور توحید الٰہی کا سبق دے سکتی تھیں، بشرطیکہ تم اپنی عقل سے کام لیتے اس سلسلے میں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تعلیم اس قدر روشن اور صاف ہے کہ اگر نمرود کا تمرد اور سرکشی اُسے تھوڑا سا موقع دیتی تو وہ بدنصیب اپنی تمام طاقت کو ابراہیمی مشن کی کامیابی میں خرچ کرتا۔ اور کبھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ناکام مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہوتا۔ لیکن بُرا ہو ضد اور تعصب کا، بُرا ہو خود پرستی اور خودنمائی کا یہ بیماریاں نہ صرف بھلے راستہ کے لئے سدِ راہ ہوتی ہیں۔ بلکہ جو بدنصیب انسان ان امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ دارین کی سعادت سے ابدالآباد کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔

سیّدنا ابراہیمؑ کی قوم

بابل کی تہذیب بھی دُنیا کی ان تہذیبوں میں سے ہے، جس پر دُنیا دار آج بھی بڑے فخر و مباہات کا اظہار کر رہے ہیں۔ بابل کے کھنڈرات نے موجودہ تاریخ نویسوں کی معلومات میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مادی طاقت کو اپنے تحفظ کے لئے جن آلات یا سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ اس سلطنت میں موجود تھے۔ بابل چونکہ سحر اور جادوگری کا مرکزی مقام تھا۔ اس لئے جادو کی طاقت کہو یا انسانی عقل کا کرشمہ اور چاہے علم نجوم کے کمال سے تعبیر کرو۔ بہرحال اس قوم کے پاس وہ سب کچھ تھا جو ایک دُنیاوی طاقت کے پاس ہوا کرتا ہے۔ یورپ کے پاس آج کل جو کچھ ہے وہ بھی اسی عنوان کا معنون یا سلطنت نمرودی کا عکس ہے۔ ہر زمانہ میں یہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ عنوان کچھ بھی ہو لیکن مطلب ایک ہی ہوتا ہے یعنی زبردستوں اور ظالموں کو کمزوروں پر جلد

کرنا۔ بابل کی نمرود پرست قوم کے پاس سب کچھ تھا۔ بڑے بڑے عالیشان محل تھے، ٹڈی دَل فوج تھی، خزانے میں کروڑوں روپیہ موجود تھا۔ سی۔ آئی۔ ڈی اور پولیس کی تعداد بھی کافی تھی۔ عدالتیں باقاعدہ تھیں۔ جیل خانہ کا انتظام بھی اچھا تھا۔ ایگزیکٹیو کونسل بھی وفادار تھی۔ علم نجوم کی بنا پر برسوں پہلے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ سزا کے طریقے بھی نہایت سخت تھے۔ غرض یہ سب کچھ تھا۔ ہاں اگر نہیں تھا تو اتنی بڑی تہذیب میں خدا کی پرستش کا تذکرہ نہ تھا۔ فطرۃ سلیمہ اس راہ میں گمراہ تھی، عقلاء کے اذہان و افہام خالق کے تصوّر سے یکسر عاری اور بے بہرہ تھے، اجسام علویہ اور اجرام فلکیہ کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔ عبادت بھی کرتے تو کواکب کی۔ بادشاہ پرستی ان کی تہذیب کا جزو لاینفک تھا۔ ان کی عقل صحیح کو چند لمنٹ کی مہلت بھی میسّر نہ تھی جس سے وہ خدا کی ہستی پر غور کرتی۔ انسان تھے، فطرۃ سلیمہ اور عقل کی نعمت سے کامل حصّہ دیا گیا تھا۔ لیکن باوجود اس نعمت خداوندی کے۔

افمن زیّن له سوء عمله فراٰه حسنا۔

(بھلا اس شخص کو کس طرح ہدایت ہوسکتی ہے جو اپنے بُرے کاموں کو اچھا سمجھ رہا ہے)

کے مصداق تھے، ان کی عقل نے مادہ پرستی کی تمام راہیں ان پر سہل کر دی تھیں۔ اگر کوئی کام مشکل اور صعب ترین تھا تو وہ خدائے قدوس کی وحدانیت اور اس کی عبادت کا شغل تھا۔ تمام کام آسان تھے، جملہ علوم کی کنہ سے واقف تھے۔ لیکن اگر بے خبر تھے تو صرف خدا کی وحدانیت اور اُس کی مقدس ہستی سے لاعلم تھے تو خالق کائنات اور صانع موجودات سے غافل تھے تو خدا پرستی سے۔ جاہل تھے تو انبیاء کی تعلیم سے۔ کوئی کام مشکل تھا تو صرف وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانا۔

ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السمآء۔ (اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ نہ کرے اُس کو ہدایت اتنی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا)

سیدنا ابراہیم کی پیدائش

نمرود پرستوں کے طغیان و سرکشی نے حد سے تجاوز کیا ان بدنصیبوں نے سُنّت اللہ کی عام مہلت اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے امہال خداوندی کو ازدیاد اثم کا ذریعہ بنایا۔

انما نملی لھم لیزدادوا اثما۔ (ہم بعض دفعہ اس لئے بھی گنہگاروں کو مہلت دیتے ہیں کہ اُن کے گناہ زیادہ ہو جائیں۔)

ان ظالموں نے آسمان و زمین کی برکتوں سے اخذ و عذاب بغتۃ و فلتۃ کی استعداد بڑھائی۔

حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا ھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون

(یہاں تک کہ جب وہ ہماری دی ہوئی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ نا اُمید ہو گئے۔)

اُنھوں نے آہستہ آہستہ سادہ لوح رعایا کی جماعت کو بھی اپنے زہریلے اثر سے متاثر کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی اس امانت پر جسے فطرۃ سلیمہ کہتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ نمرود کی تصویریں ایک ایک گھر میں پرستش کے لئے رکھی گئیں۔ بادشاہ پرستی کا قانون وضع کیا گیا۔ اطاعت و پرستش کے دو لفظ ہم معنی قرار دیئے گئے۔ بادشاہ کی پوجا وفاداری کی شرط قرار پائی۔ اس استبدادیت و گمراہی کے مقابلہ میں لب کشائی کرنے والے سخت

سے سخت عذاب میں مبتلا کئے گئے رائے عامہ کا علی الاعلان خون کیا گیا۔
یہ تمام سامان عذابِ خداوندی اور غضب الہٰی کی دعوت کے لئے کافی تھے۔ لیکن قدرت کے عام قانون کے موافق رحمت نے پھر ایک دفعہ سبقت کی۔ فطرت سلیمہ کے غلط استعمال ہی کو صرف مواخذہ کی علت قرار نہیں دیا۔ بلکہ ظالموں کو غور و فکر کا ایک آخری موقع دیا گیا۔ بطش و گرفت سے پہلے حضرت ابراہیم کی بعثت کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ بھولے ہوئے سبق کو یاد کرا کے اتمام حجت کیا جائے۔ غفلت و جمود سے عہدہ برآ ہونے اور تقلید آبائی سے رجوع کرنے کی غرض سے بطور آخری تنبیہ اور انقطاع حجت کے خلیل اللہ کو مبعوث کرنے کا اعلان کیا گیا۔ تاکہ کفار کو معاندین کو دو باتوں میں سے کسی ایک کے کہنے کا حق ہی نہ رہے۔
انا کنا عن ھذا غفلین او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم افتھلکنا بما فعل المبطلون۔
(ہم کو اس کی خبر نہ تھی یا کہنے لگو شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے۔)
ابھی یہ خدا کا برگزیدہ بندہ صلب آزر سے منتقل بھی نہ ہوا تھا کہ ماہرین فن نجوم نے قضا و قدر کی چغلی کھائی۔ نمرود کو کسی آنے والے خطرہ سے آگاہ کیا گیا۔ جو ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔ کونسل کا غیر معمولی جلسہ طلب ہوا۔ انسدادی تدابیر پر غور کرنے کی غرض سے سب کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ نجومیوں نے جو شب رحم مادر میں منتقل ہونے کی مقرر کی تھی اس رات عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کا اہتمام کیا

گیا۔ تو الدو تناسل کی صلاحیت رکھنے والے مردوں کو شہر سے باہر کردیا گیا۔ حکم تھا کہ کوئی مرد شہر میں نہ رہنے پائے۔ فصیل کے دروازوں پر معتمد ہی کو نگراں بنا گیا۔ آزر جو تقرب نمرودی کے باعث وفاداری میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

حاجبین و بوابین کے نگراں مقرر ہوئے۔ غرض اس مضحکہ خیز طریقہ سے نمرودیوں نے قضاء و قدر کا مقابلہ کیا۔ یہ سب کچھ کیا گیا۔ باوجود اس تمام حزم و تہیہ اور ناکام روک تھام کے مادہ پرستوں کو ذلیل شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ ہو گیا جو خدا چاہتا تھا۔ قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے آزر کو اس امانت سے جو ان کو نسلاً بعد نسل ودیعت کی گئی تھی ہمیشہ کے لئے سبکدوش کردیا۔ ایک شریف خاتون اس امانت کی ذمہ بنائی گئی۔ محافظین اور شاہی معتمدین خائب و خاسر کر دیئے گئے۔

واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فلک آشیاں طبقہ میں قضی الامر کی صدا گونجی ادھر مادہ پرستوں میں غل مچا نجومیوں نے سر پیٹ لیا۔ قضاء و قدر کے وشاۃ و غمازوں نے سینہ کوبی کی۔ بتکدوں میں جاء الحق و زھق الباطل کا شور ہوا۔ دبیران قدرت نے مادہ پرستوں کو نظر استعجاب سے دیکھ کر کہا۔ خدا کا منشار پورا ہو گیا۔ آنے والا خطرہ صرف نو مہینے کی مسافت پر ہے۔ اگر کوئی انتظام کرسکتے ہو تو کرلو۔

کواکب پرستوں کی ایک اور حماقت

شکست خوردگان قضاء و قدر نے پہلی شکست کو شکست نہیں سمجھا

اور بدنصیبوں نے دوسرا محاذ جنگ قائم کر لیا۔ اب کی دفعہ حاملہ عورتوں کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ ہر نوزائیدہ اور معصوم بچّے کو اپنا حریف سمجھ کر موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ اور نہ معلوم اقتدار پسندوں نے کتنے ہزار بے گناہ بچے اس طرح اپنی سفاکی اور بادشاہ پسندی کی نذر کر دیئے۔ لیکن قدرت کی زبردست طاقت نے ظالموں اور جاہلوں کو اس محاذ پر بھی شکست دی۔ آزر یا تارخ کی بیوی مثلی شروع شروع میں اپنے حمل کو چھپاتی رہیں۔ لیکن آخر اُنھوں نے اس ہونے والے بچّے کی آتی محبت نمرود پرست باپ کے دل میں پیدا کر دی، اور وہ اس پر رضامند ہو گئے کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اُس کو زمانہ بلوغ تک پوشیدہ رکھا جائے گا اور نمرود کی خدمت میں اُس وقت تک پیش نہ کیا جائے گا۔ جب تک وہ نمرود کی خدائی کا معترف نہ ہو جائے۔

فنائے بابل کا ایک غار وضع حمل کے لئے مقرر کیا گیا۔ ایک دن رات کی تاریکی اور صحرا کی خاموشی نے حضرت خلیل کی والدہ مثلی کو اس امانت سے سبکدوش کر دیا جوان کو اسی قسم کی ایک رات میں ان کے خاوند تارخ نے شہر پناہ کے بڑے لیکن مقفل دروازے کے قریب ودیعت کی تھی۔

پرستارانِ نمرود کو اس محاذ پر بھی شکست ہوئی واقفین علم نجوم و ماہرین سبع سیارات نے نمرود اور اُس کی کونسل کو ذلیل شکست کی اطلاع دیدی۔ اور صاف کہدیا کہ اے رب السمٰوات والارض جس خطرہ کا اندیشہ تھا وہ عالم علوی کو طے کر چکنے کے بعد زمین کی پہنائی کو چیرتا ہوا منازل سفر کو نوبت بعد نوبت عبور کرتا ہوا شہر بابل کی فصیل سے ٹکرا رہا ہے۔ خداوند زمین و زماں جس بچہ کی تلاش میں ہزاروں بچے ذبح کئے گئے۔ جس خطرے کے خوف سے ہزاروں گھروں کو برباد کیا گیا۔ ہزاروں عورتوں کی گودیاں خالی

کرائی گئیں۔ وہ بچہ پیدا ہو گیا۔ اس وقت تک زندہ ہے۔ تندرست ہے۔ آپ ہی کے دربار کا ایک معتمد علیہ اُس کا نگراں اور محافظ ہے۔ اگر خداوند ملک کو بچانا ہے۔ اور خدائی کا تحفظ مقصود ہے تو اس بچہ کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ ہم نے حق غلامی ادا کر دیا۔ اب حضور کو اختیار ہے۔ آپ تمام معاملات کو خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ عالم اور صانع موجودات ہیں۔

ماہرین فن کی اس سامع خراش تقریر نے نمرودیوں کی سٹی گم کر دی وہ ایسے مبہوت و متحیر ہوئے کہ کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ صرف تارخ پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا گیا۔ لیکن تارخ نے اپنے اعتماد اور ہر دلعزیزی کی بدولت نمرود کی آنکھوں میں ایسی خاک جھونکی کہ تمام ایوان حکومت نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ آزر کے لئے کونسل میں اعتماد کی تجویز پاس ہو گئی۔ مادہ پرستوں نے اس محاذ پر ایسی مُنہ کی کھائی کہ اگر عقل صحیح سے تھوڑا سا کام بھی لیتے تو ہدایت کے راستے کو نہایت آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے، مگر یہ فسق و فجور کے پتلے اور ضلالت و گمراہی کے مجسمے اس قسم کی ٹھوکروں سے کب سنبھلتے تھے، بہر حال سیدنا ابراہیمؑ کی پرورش شروع ہوئی۔ تھوڑی عرصہ میں ماں باپ کے پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ رات کی تاریکی میں انکی والدہ مثلی ان کو غار سے لیکر باہر بیٹھ جاتیں۔ اور شب تار کی سیاہ چادر کی چمکتی ہوئی ٹنکیوں سے کھلایا کرتیں۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کیلئے کائنات کی سیر کا ایک بہانہ تھا، اگرچہ ابھی طریقہ استدلال کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی باوجود ماں باپ کی ضد و اصرار کے کسی تارے کے سلام کو نہ تو کبھی ہاتھ اٹھایا اور کبھی کسی چمکتے ہوئے سیارے کے سامنے اظہار عبودیت کی غرض سے پیشانی جھکائی۔ قدرت کی اس گوناگوں رنگینیوں کو دیکھ کر کبھی ہنستے کبھی روتے اور کبھی خاموش ہو جاتے، ماں باپ اس نونہال کی چمکتی ہوئی پیشانی کو چومنے لگتے اور شب گیسو دراز کی زلفیں سمٹنے سے پہلے اپنی امیدوں کے اس مرکز کو

غار میں چھپا دیتے، اور اپنے عقیدے کے موافق زہرہ یا مشتری کے سپرد کر دیتے۔
آہستہ آہستہ کیوں اور کیا۔ چگونہ و چرا۔ استفہام و استدراک کی قابلیت
پیدا ہوئی۔ یہ بچہ بچہ نہ تھا بلکہ ہزارہا برگزیدہ ہستیوں کی امانت اور صدہا امتوں
کا مجموعہ تھا۔ تنہا تھا، لیکن لاکھوں اور کروڑوں کا ہم وزن تھا۔
ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا
لانعمہ۔ (ابراہیمؑ ایک رہنما اور فرمانبردار صرف اللہ ہی کا ہو کر رہنے والا تھا۔ وہ
مشرک نہ تھا اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر گذار۔

فطرت سلیمہ کا اثر

من وما کی صلاحیت پیدا ہوتے ہی کسی پوشیدہ شے کی تلاش
شروع ہوئی۔ ابتداءً ماں سے اور آگے چلکر آزر سے سوالات کا سلسلہ
شروع ہوا۔ کبھی ربوبیت کے انتہائی مرجع سے سوال کیا جاتا تھا۔ اور
کبھی خالق کائنات کو دریافت کیا جاتا تھا۔ کبھی ستاروں کے مجموعے سے بحث
ہوتی تھی تو کبھی اجرام فلکیہ کے اثرات پر غور کرنے کی درخواست کی جاتی تھی،
ماں باپ خود رب ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ کبھی نمرود کو رب بتاتے، اجرام
فلکیہ کو مؤثر بالذات سمجھانے کی کوشش کرتے اپنے اپنے فہم و ادراک کے
موافق دونوں ماں باپ بادشاہ پرستی کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اس چھوٹے
سے بچے کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ جب کبھی یہ نمرود کے رب سے
سوال کرتا تو دونوں ماں باپ پر بڑا شاق گزرتا۔ باپ کبھی کبھی اس قسم کے
سوالات کو سختی سے روکنے کی کوشش کرتا تو آپ خاموش ہو جاتے لیکن
جب باپ کا غصہ اتر جاتا تو پھر دریافت کرتے کہ جب بادشاہ بھی ہم ہی جیسا

انسان ہے تو اس کو اپنی بقا و زندگی کے لیے کسی مربّی کی ضرورت کیوں نہیں۔ کبھی فرماتے کہ اگر آسمان کے ستارے ہر شئے میں مؤثر ہیں تو آخر ان میں یہ اثر کس نے رکھا ہے۔ جب کبھی آزر کو عاجز دیکھتے تو فرماتے مجھے نمرود کے پاس لے چلو شاید وہ میری تسلی کر دے۔ آخر مجھے یہاں جنگل میں کیوں رکھا ہے۔ میں تمہارے رب سے خود اسکی ربوبیت کے متعلق گفتگو کرونگا۔ شاید کہ وہ اپنی خدائی کے متعلق مجھے مطمئن کر سکے تا آنکہ اس خواہش کے پورا کرنے سے انکار کر دیتے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی ضروریات زندگی کے متعلق مکالمہ شروع کر دیتے اسکے کھانے اور پینے نیز دیگر حوائج کے متعلق گھنٹوں بحث و مباحثہ ہوتا۔ ماں اور باپ دونوں سے اپیل کرتے کہ بھلا جو خود محتاج ہو۔ وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ باپ اس امر کی کوشش کرتا کہ طبیعت کو دوسری جانب متوجہ کر دے لیکن سیدنا ابراہیمؑ کو جو بیس ۲۰ گھنٹے اسی مسئلہ سے دلچسپی تھی۔ آزر نے اپنی کمزوری کو محسوس کیا تو بعض اپنے مخصوص دوستوں کے ذریعہ اس نونہال کا اطمینان کرانا چاہا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی فطرت سلیمہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی انسان کو خدا تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ آزر کے مخصوص دوستوں کی آمد و رفت سے بعض دفعہ تمام تمام رات اسی بحث میں گزر جاتی اور صبح کے وقت حضرت ابراہیم مایوس ہو کر پھر غار میں چلے جاتے اور دن بھر متفکر و پریشان رہتے۔

لا احب الآفلین

جب قوم کے لوگوں سے اطمینان نہ ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم کی مختلف چیزوں پر خود غور کرنا شروع کیا۔ بعض دفعہ رات رات بھر اسی غور و فکر میں گزر جاتی۔ اس قدر محنت و جانکاہی کو دیکھتے ہوئے قدرت

کی طرف سے رہنمائی شروع ہوئی۔ یہ ہدایت کسی کسب کے صلہ میں نہ تھی۔ بلکہ صرف موہوب لہ۔ میں تدریجی صلاحیت کا انتظار تھا۔ پس جس کام کے لئے باری عز اسمہ نے اپنے خلیل کو پیدا کیا تھا اس کام کا وقت آ گیا۔ اگرچہ اس غار کی صورت غار حرا کی سی نہ تھی۔ لیکن اس سے ملتی جلتی ضرور تھی غار کو مجاہدے اور سعی طلب کا ذریعہ بنا دیا گیا تاکہ فطرۃ کی تدریجی رفتار کا قانون قائم رہے۔ اور کسی سبب اور کسی معلول کی علت ظاہر ہو جائے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (ہم اپنے راستہ کے تلاش کرنے والوں کی خود رہنمائی کیا کرتے ہیں۔)

جو کچھ ملنے والا تھا وہ تو مل ہی کر رہتا۔ ازل کی نظر انتخاب کو کون پھیر سکتا تھا۔ لیکن محض اس قاعدے کے اثبات کی ضرورت تھی کہ تلاش کرنیوالے پاتے ہیں اور صحیح قدم اُٹھانے والے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جستجو کرنیوالوں کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ اور فطرت سلیمہ کے جائز استعمال کرنے والے توحید الٰہی کے قائل ہی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ خلیل کی سچی طلب نے خلیل کو حاصل کر ہی لیا۔ اور لطف تو یہ ہے کہ جنگل میں بیٹھے بیٹھے وہ چیز حاصل ہو گئی جس سے آج کل کے بڑے بڑے سیاح محروم ہیں۔

وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض۔ ملکوت کی رویت کے بعد ایقان میں تخلف نا ممکن ہے۔ قلب کو اطمینان ہو چکا تھا۔ اور جس کے لئے عرصہ سے بےچین تھے وہ شے مل گئی تو والد کے دوستوں کی جانب متوجہ ہوئے اور عالم علوی کے پرستاروں کو انہی کے اسلحہ سے مجروح کر دیا۔ تغیرات اشیاء کا حدوث ثابت کرتے ہوئے خالق عالم اور فاطر السمٰوات والارض کی جانب متوجہ کیا۔ تبلیغ کا بہاطریقہ ایجاد کیا گیا حکمت اور موعظہ حسنہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اور نہایت ہی احسن طریقہ پر خصم کے دلائل کو پارہ پارہ کردیا۔ ابتداءً میں ھذا ربی سے اطمینان دلایا کہ اچھا اس کوکب درخشاں کو رب مان لیتا ہوں۔ بشرطیکہ شان ربوبیت قائم رہے۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اُفق مغرب سے چاند طلوع ہوا۔ قمری روشنی میں کواکب کا نور کالعدم ہوگیا۔ زہرہ (جس کی ربوبیت علی سبیل التنزل تسلیم کرلی گئی تھی) پھیکا پڑگیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فوراً ہی فرمایا:۔

انی لااحبّ الافلین

ایک فقرہ سے مقابل کی دلیل کو ختم کردیا اور مشروط ربوبیت سے فوراً انکار فرماتے ہوئے مشرکین کو اس طرح اطمینان دلایا کہ میں قمر کو جو زہرہ سے زیادہ روشن اور بڑا ہے۔ رب تسلیم کرلیتا ہوں بشرطیکہ اس میں وہ عیب نہ ہو جو پہلے معبود میں نمایاں ہوا۔ مناظرہ کی اس صورت نے خصم کے جذبات کو بھی تھام میں رکھا اور معبودان باطلہ کا قلع قمع بھی ہوگیا۔ اس مؤثر پیرایہ نے کواکب پرستوں کو ساکت کردیا۔ رات کا آخری حصّہ ختم ہورہا تھا کہ آفتاب کی آمد شروع ہوئی۔ چاند کا نور سلب ہونا شروع ہوا۔ جو صورت زہرہ کو پیش آئی تھی وہی حال قمر کا ہوتا نظر آیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر توجہ دلائی اور اب کی دفعہ ایک لطیف پیرایہ میں اپنے مطلب کا اظہار اس طرح فرمایا:۔

لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔ (اگر میرے پروردگار نے میری صحیح رہنمائی نہ کی تو میں بھی گمراہ قوم کا ایک فرد بنکر رہ جاؤنگا۔)

ربوبیۃ اصلیہ کی طرف توجہ دلاکر فوراً ہی اپنے خصم کو بھی سنبھالا۔ کیونکہ ابھی اس کے ترکش میں ایک اور تیر موجود تھا۔ اور یہی وہ آخری چیز تھی جس پر اجرام علوی کے پرستاران کو پورا ناز تھا۔ حضرت ابراہیم چاہتے

تھے کہ قوم کے اس آخری معبود کو بھی اسی میدان میں شکست دیدوں جب ان کا سب سے بڑا رب شکست کھا جائے گا۔ تو پھر صاف صاف اپنے عقیدے کا اظہار کر دونگا۔ خصم کی اس آخری حجت کو اور مجروح کر دیا جائے۔ تاکہ اس کا ہاتھ خالی رہ جائے اور پھر میں نہایت آزادی کے ساتھ کلمۃ الحق کا اعلان شروع کر دوں۔ چنانچہ لمر یھدنی ربی کا اندمال ھذا ربی ھذا اکبر سے کیا گیا۔ قوم کو اطمینان ہو گیا کہ ہمارا یہ آخری معبود اس نوجوان اور متلاشی حق کو تسلی دیدیگا۔ ہذا اکبر کے الفاظ نے اس امید کو اور بھی قوی کر دیا۔ لیکن شام سے پہلے آفتاب کی حالت بگڑنی شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم جو ملکوت السموٰات والارض سے پہلے ہی واقف ہو چکے تھے، انہیں یہ سب کچھ معلوم تھا، اور وہ اپنی قوم کو اسی کے مسلمات سے شکست دینا چاہتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا کہ کواکب پرستوں کو منہ دکھانے کی جگہ باقی نہ رہی۔ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک جملہ اجرام علوی کا بطلان کر دیا۔ شام تک آفتاب بھی اسی گھاٹ پر جا پہنچا جہاں اس سے پہلے اس کے دونوں حریف روپوش ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آخری اور سب سے بڑے معبود کو شکست دینے کے بعد نہایت زور کے ساتھ اعلان کیا۔

یقوم انی بریٔ مما تشرکون ۔ "اے میری قوم میں تمہارے شرک اور مشرکانہ رویّہ سے بیزار ہوں۔"

چونکہ معبودان باطلہ کی شکست کا پورا یقین ہو چکا تھا اور مشرکین وملحدین دلائل وحجت وبراہین سے قطعی تہی دامن تھے۔ اور ان کا تمام علم وکمالی فلسفہ اور منطق ایک اشارہ ابراہیمی میں ختم ہو چکا تھا تو اب سیدنا ابراہیم ع

نے شرک سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے معبودِ حقیقی کے اوصاف کی جانب اس گمراہ قوم کو متوجہ کیا تاکہ معبودانِ باطلہ کی ذلت کے ساتھ ہی اللہ جل جلالہٗ کی عزت اور رفعت و شان سامنے آجائے۔ اور قوم کو یہ سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ کہ کواکب کو چھوڑ کر کیا کریں۔ سیدنا خلیل علیہ السلام نے اپنے اس ایقان کا جو ملکوت السمٰوات والارض کی سیر سے حاصل ہو چکا تھا اس طرح اظہار کیا:۔

انی وجهت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین

(میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔)

یہ پہلا اعلان تھا۔ جو قوم کی شکست کے بعد کیا گیا۔ اب تک قوم ایک رسمی مناظرہ یا معمولی تحقیقات سمجھ رہی تھی لیکن اس اعلان کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ بابل میں ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو نہ صرف مذہبی حیثیت سے بلکہ پولیٹیکل حیثیت سے بھی موجودہ حکومت کے لئے خطرناک ہے

شکست خوردہ قوم نے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر مجادلہ و مکابرہ کی صورت اختیار کی، دھمکی دی گئی، تخویف و تہویل کی ابتدا ہوئی۔ الغرض وہ تمام حرکتیں شروع ہوئیں جو طاقت دار کمزوروں کے مقابلہ میں کیا کرتے ہیں کبھی نمرود کی مادی طاقت سے ڈرایا گیا۔ اور کبھی اجرام علویہ کی خفیہ تاثیرات سے خوف دلانے کی کوشش کی گئی۔ قوم کی طرف سے جس قدر سختی بڑھتی گئی اذعان و ایقان کی عمارت اتنی ہی مضبوط اور راسخ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سیدنا ابراھیمؑ جو معبودِ حقیقی کی قوت و طاقت سے بخوبی واقف تھے کچھ دنوں خاموشی کے ساتھ قوم کی اس حالت کو برداشت کرتے رہے، لیکن جب

اس نا اہل قوم کی جانب سے باوجود تہیدستی دلائل کے یہ سلسلہ ختم نہ ہوا تو پھر آپ نے ان تمام لغویات کا جواب اپنی اولوالعزم شان کے ساتھ اس طرح دیا جس میں اپنے اطمینان اور عدم خوف کے اظہار و اعلان کے ساتھ ساتھ قوم کی غلطی اور جہالت پر اس کو دوبارہ متوجہ کیا گیا تھا۔

وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ مالم ینزل بہ علیکم سلطانا فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔

"تمہارے معبودوں سے مجھے ڈرنے کی کیا پڑی حالانکہ تم تو خدا سے ڈرتے نہیں اور بلا کسی حجت و دلیل کے اُس کے ساتھ شرک کر رہے ہو، تمہیں بتاؤ کہ خدا کا پجاری زیادہ مامون ہے یا بُت پرست زیادہ مطمئن ہے؟"

اللھم صل علے محمد وعلے آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

حضرت خلیلؑ کی حیات طیبہ سے اس مضمون میں صرف قارئین کرام کے سامنے ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ خداوند جل علا کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے لئے ایک مستقل دلیل ہے۔ بشرطیکہ کوئی بندہ صحیح تلاش کی غرض سے تیار ہو جائے۔

۱۰ / جون ۱۹۲۷ء

محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)
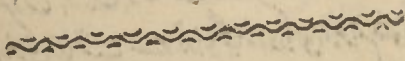
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہر کمال اپنے ظہور کے لئے اور ہر خوبی اپنی شہرت کے لیے اور ہر وصف اپنی نمائش کے لئے بے چین اور مضطرب ہے۔ گویا یہ کلیہ بالکل صحیح ہے۔ کہ ہر صفت کمال کا ذاتی اقتضا ظہور ہے۔ گانے والے کا گلا اور ناچنے والے کے پاؤں کا اضطراب و اضطرار تو ضرب المثل ہے لیکن حسن کی پردہ دری سے بھی دنیا ناواقف نہیں ہے۔ اگرچہ عشاق نے اس کا مطلب غلط سمجھا اور حسن کو رازداری کے انکشاف کا طعنہ دے بیٹھے۔ حالانکہ حسن جیسی شریف صفت کی جانب اس قسم کا غلط الزام بالکل بے بنیاد اور صریح بہتان ہے۔ حسن کا ذاتی اقتضا تو اپنے ہی نقاب کا چاک کرنا تھا۔ لوگ یہ سمجھے کہ ہماری پردہ دری ہو گئی۔ عشق کے چھپانے والوں نے اپنی کم ظرفی حسن کے ذمہ لگا دی۔ اگرچہ بھید کے چھپانے کا صحیح طریقہ تو وہ تھا جو عربی کے ایک شاعر نے کہا تھا ؎

اذا لم یجد صبرا لکتمان سرہ
فلیس لہ شیٔ سوی الموت ینفع

(جب کوئی عاشق اپنے بھید کو چھپانے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا علاج سوائے موت کے کچھ نہیں ہے)

ان کم ظرفوں سے بھید بھی نہ چھپایا گیا اور مرتے ہوئے بھی موت آئی تو اپنی بلا حسن کے سر تھوپ دی، حسن اپنی شہرت چاہتا ہے، اسے اس سے بحث نہیں کہ اس شہرت کا اثر ایک گمنام عاشق پر کیا ہوگا۔ وہ عاشق کی رسوائی سے مستغنی ہے۔ اس ایک چیز پر دوسرے کمالات و اوصاف کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، باکمال انسانوں سے گزر کر حیوانات بھی اس کلیہ میں شریک ہیں۔ بلبل کی ترنم ریزی اور پپیہے کی نغمہ سنجی بھی اسی کلی کے افراد ہیں۔ اگرچہ بصیرت افروز نگاہیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ عالم امکان کے بسنے والوں کا ہر کمال فانی ہے کوئی کتنا ہی بڑا صاحب کمال کیوں نہ ہو، لیکن اس کا کمال فنا کے عیب سے پاک نہیں ہے۔ پھر اگر عیب آلود کمال بھی اپنے ظہور کے لئے مضطرب اور بے چین ہے، اور چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ تو حضرت حق جل و علا شانہ جو جملہ کمالات کے منبع اور تمام خوبیوں کے مرجع ہیں۔ جن کے اوصاف ازل سے ابد تک باقی رہنے والے ہیں، اور جن کی صفات کمالیہ لاتعداد و لاتحصی ہیں۔ وہ کیونکر خاموش رہ سکتے تھے، دنیا میں ابتک جو کچھ ہوا اور آیندہ جو کچھ ہوگا وہ انہی کی صفات کا اقتضا اور اس اقتضا کا ظہور ہے۔ چونکہ یہ اقتضا مشیت اور ارادہ کے تحت میں تھا۔ اس لئے اضطرار کے نقص سے مبرا و منزہ تھا۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا وہ سب کا سب ایک ناظم اور حکیم مطلق کی صفت ارادی کے ماتحت ہوا اور آیندہ بھی جبتک چاہے گا ہوتا رہے گا۔ اسکی صفت خالقیت نے ہزارہا قسم کی مخلوق پیدا کی لیکن

ان سب میں انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب دیا گیا چونکہ انسان بے شمار کمالات
کا آئینہ اور ملکات متضادہ اور صفات متقابلہ کا مجموعہ تھا اس کو خلقت بیدی
کے مبارک خطاب سے نوازا گیا۔ ملائکہ صرف نور سے پیدا کئے گئے تھے، اور فقط
لطف و کرم کے مظہر تھے۔ اسی طرح جنات میں ناریت کا عنصر غالب تھا اور وہ
صفت استکبار کے منشاء و مظہر تھے۔ لیکن انسان جس طرح عناصر متضادہ سے ترکیب
دیا گیا تھا۔ اسی طرح اسکی ترکیب میں اسکی ملکات متقابلہ ودیعت کئے گئے تھے۔
ایک طرف تواضع اور اطاعت کا ظہور اس سے ممکن تھا اور دوسری طرف اباء و انکار
سرکشی و نافرمانی کی طاقت بھی عطا کی گئی تھی۔ نیکی اور گناہ کی دونوں طاقتیں اسکی سرشت
میں رکھی گئی تھیں۔ اسی وجہ سے تمام مخلوق میں امتیازی شان کے ساتھ اوامر و نواہی
کا مکلف بھی قرار دیا گیا۔ جملہ کائنات کو اس کیلئے مسخر و مطیع کیا گیا، اور قدرت نے
اسکو اپنے لیے چن لیا۔ ازل میں ایک الست بربکم کے خطاب سے مخاطب فرما کر
بلیٰ کا وعدہ لے لیا گیا۔ حضرت حق جل و علا شانہ کے الطاف و کرم نے اپنے بندوں
کے اس حق کو بھی تسلیم کر لیا کہ ہم اس وعدہ کی یاد دہانی بھی کرائیں گے۔ لیکن اگر ہمارے
رسول تم تک پہنچکر تم کو یہ وعدہ یاد دلائیں اور تم کو ہماری ہدایت کا جانفزا پیام
پہنچایا جائے تو تم ان نبیوں کا خیر مقدم کرنا اور میری ہدایت کو قبول کر لینا لیکن
اگر تم نے ہماری ہدایت کو قبول نہ کیا اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو تم
ابدی عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ اور قیامت میں تمہارا کوئی عذر بھی
مسموع اور مقبول نہ ہوگا۔
یٰبنی آدم اما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم
ولا ھم یحزنون۔ والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولٰئک اصحٰب النار

لہ میں نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے ۱۲

ھم فیہا خالدون۔ (اے اولاد آدم اگر تم تک میری ہدایت کا پیام پہنچے تو یاد رکھنا جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اُس پر کسی قسم کا ڈر خوف نہ ہوگا اور جو لوگ میری آیتوں کا کفر کریں گے اور تکذیب کے درپے ہونگے تو اُن کو آگ کا عذاب ہوگا۔ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔)

قدرت کے اس اعلان نے انسان کو ہر قسم کا ذمہ دار بنا دیا۔ اگر ایک طرف اسکے سر پر ولقد کرمنا بنی اٰدم کا تاج رکھا گیا تھا۔ اور ملائکہ مقربین کے سجدے کی شرافت و عزت سے نوازا گیا تھا تو اسی کے ساتھ اس کو امانت الٰہی کا سب سے بڑا ذمہ دار بھی مقرر کیا گیا اور نہایت ہی صاف طریقہ سے کہہ دیا گیا کہ اولاد آدم دُنیا میں جاکر اس وعدے کو فراموش نہ کر دینا۔ یہ تمام شرافتیں اسی وقت تک ہیں جب تک تمہاری جانب سے پُوری وفاداری کا اظہار ہوتا رہے ورنہ یہ تمام نعمتیں سلب کر لی جائیں گی۔ اور بجائے احسن التقویم کے اسفل السافلین کے گڑھے میں پھینکدیئے جاؤ گے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت

ایک طرف قدرت اپنے کمال خالقیت کے ساتھ اشرف المخلوقات سے یہ عہد و پیمان کر رہی تھی اور دوسری طرف اپنے وعدہ کی تکمیل کے لئے اسی مخلوقات میں سے کچھ ہستیوں کو نامزد فرما رہی تھی۔ جن کو آیندہ رشد و ہدایت کی خدمت تفویض کی جانے والی تھی۔ ان برگزیدہ ہستیوں میں قدرت کی نظر انتخاب نے جس کو سب سے پہلے چُنا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی اور آپ ہی کا نور تھا۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد۔

صبح ازل میں سب سے پہلے یہی نور جلوہ گر ہوا۔ اور جب آدم صفی اللہ

سے لیکر عیسیٰ رُوح اللہ تک تمام انبیاء کی فہرست مرتب ہو چکی تو اس اول خلق اور عالم کون و مکان کی سب سے پہلی اور سب سے مکمل تصویر کو باعتبار وجود و ظہور آخری نمبر پر رکھا گیا۔ واقف کاران قدرت اور رازداران حقیقت اس نکتہ کو سمجھ گئے اور اُنہوں نے یہ جان لیا کہ یہ سب سے پیچھے آنے والا ہی سب کا مکمل اور سب کا سردار ہے۔ اور آخر ایک دن دُنیا نے دیکھ لیا کہ جو کام جملہ انبیاء کی سعی اور کوشش سے ناتمام رہا وہ اس اکیلے نے تصرف تکمیل کو پہنچا دیا بلکہ الیوم اکملت لکم دینکم کا تمغہ بھی حاصل کر لیا۔ ظاہر بین نگاہوں کو آخر ایک دن اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہی پڑا اور اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ عالم وجود میں اول خلق کا سب سے پیچھے تشریف لانا اس کی عزت اور کمال محبوبیت پر موقوف تھا۔ خدانخواستہ اس تاخیر سے تنقیص مرتبت مقصود نہ تھی ؎

اے ختم رسل قرب تو معلوم شد — دیر آمدئی از رہ دُور آمدئی

تاخیر کے مزید وجوہ

عالم کے انسان رُوحانی امراض میں مبتلا تھے۔ ہر قسم کی بیماریوں نے ان کا احاطہ کر لیا تھا۔ عالم میثاق کے عہد و پیمان کو یہ بدنصیب فراموش کر چکے تھے۔ روحانی مصلح یکے بعد دیگرے علاج کے لئے آتے رہے۔ لیکن مریض کسی طرح سنبھالنے میں نہیں آیا۔ برسوں کی محنت میں کسی نے ایک اور کسی نے دو، کسی نے دس اور بیس یا سینکڑوں نے غسل صحت کا شرف حاصل کیا۔ اور سب کو جانے دو سب سے بڑے پیغمبر کلیم اللہ کی دوا سے جن کو آرام ہوا تھا۔ ان کی بھی یہ حالت تھی کہ دریا کے پار ہوتے ہی بدپرہیزی

کے لئے تیار ہو گئے۔ اعادہ مرض کا ظہور ان الفاظ میں ہوا۔
اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ۔ (ہم کو بھی ایسے ہی معبود بنا دو جیسے اس قوم کے معبود ہیں)
کلیم اللہ ان کو اچھا بھلا چھوڑ کر طور پر جاتے ہیں۔ طور کی واپسی میں معمولی تاخیر ہو جاتی ہے اور بہت ہی قلیل عرصہ میں مریض کو دورہ پڑ جاتا ہے۔ اور ایک بد نصیب ساحر طبیب بن کر تمام اُمت کو گمراہ کر دیتا ہے۔
واتخذ قوم موسٰی من بعدہ من حلیھم عجلا جسدا لہ خوار۔
(موسٰی کی قوم نے اُن کے بعد ایک گائے کے بنائے ہوئے بچھڑے کو معبود بنا لیا)
جب کلیم اللہ کے مریضوں کی یہ حالت ہو تو اس سے دیگر انبیاء علیہم السّلام کے مریضوں کا اندازہ بھی بآسانی ہو سکتا ہے۔ اور جب کسی مریض کے علاج سے اطباء عاجز آجائیں تو سب کے آخر میں سب سے بڑے طبیب کو بلایا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قدرت کی گوناگوں مصلحتوں نے اس طبیب حاذق کو سب کے بعد مبعوث کیا جس نے تیئیس ۲۳ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف مریضوں کو صحیح اور تندرست کر دیا۔ بلکہ ہر مریض میں دوسرے بیماروں کو چنگا اور اچھا کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کر دی اور ایک ایسے دار الشفاء کی بنیاد قائم کی جو قیامت تک کے لئے بیماروں کا کفیل و ضامن ہو گیا۔ اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد۔
بنی نوع انسان نے دُنیا میں آکر ان تمام عہود و مواثیق کو فراموش کر دیا۔ جو عالم ازل میں قسمیں کھا کھا کر موکد و موثق کئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی عام دعوت واللہ یدعوا الیٰ دار السلام سے ایسی بیزاری کا اظہار کیا۔ گویا اس دعوت سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لیکن اس بیزاری کے باوجود قدرت نے بخل نہیں کیا بلکہ یکے بعد دیگرے پیغمبروں کی معرفت ان کو دعوت کے سلسل

پیام بھیجے جاتے رہے۔ ان بدبختوں نے جماعت داعیین کے ساتھ سخت بُرا برتاؤ کیا۔ بلانے والوں کو پتھر مارے گالیاں دیں، اور ان بیچاروں کے ساتھ نہایت ذلیل سلوک کیا۔ آخر خاندان کے سب سے بڑے کو بھیجا گیا اور یہ کہکر بھیجا گیا کہ اگر ان کی دعوت پر بھی کوئی نہیں آیا۔ تو اب مزید انتظار کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور آیندہ کوئی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اب ان سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ ان کا سب سے پیچھے آنا، ان کے بڑے ہونے کی دلیل ہے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بعثت آپکی شان و مرتبت کی دلیل ہے۔ جس سے ان تمام امور کی تکمیل کا ظہور مقصود تھا۔ جو امور دوسروں سے پورے نہ ہو سکے، حالانکہ وہ بھی اولوالعزم مرسل تھے سینکڑوں برس کی عمریں ان کو عنایت کی گئی تھیں۔ باوجود ان تمام ساز و سامان کے بھی وہ اس منشاء کو پورا نہ کر سکے جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کی تھوڑی سی مدت میں نہ صرف پورا کر دیا بلکہ دین حنیف کو ایسی بنیادوں پر قائم کر دیا۔ جو بندوں کی رہنمائی کے لیے قیامت تک کافی ہیں۔

بھلا جو ابتدائے آفرینش میں نبوت کے تاج کا شرف حاصل کر چکا ہو اور خلق آدم سے پیشتر ہی رسالت کے مبارک لقب سے ملقب کر دیا گیا ہو۔ اسکے متعلق یہ کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی بعثت کو موخر کرنا کسی خاص مصلحت کے ماتحت نہ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ حقیقت کی ابتداء اور ظہور کی انتہا تمام انبیاء کی صیانت و حفاظت کے یہی دو گوشے ذمہ دار تھے۔ گویا جملہ انبیاء و مرسلین رحمۃ اللعالمین ہی کے دامن تربیت کے خوشہ چین تھے، اگر آپ سب سے آخر میں تشریف نہ لاتے تو ان کمالات کا ظہور ہی ناممکن تھا۔ جو بعثت کی تاخیر میں نمایاں ہوئے۔ تمام انبیاء کے تکمیل کنندہ کا فرض ہی تھا کہ وہ سب کے

پیچھے تشریعت لاکر اس کی تمام کمی کو پورا کر دے جس کے پورا کرنے کی ضرورت تھی۔ کتب احادیث کی مشہور حدیث اس مفہوم پر نہایت صاف طریقہ سے مشعر ہے۔ جس میں آپ نے اپنی اور انبیاء سابقین کی ایک مثال ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ انا وانا خاتم النبیین ہ (میری مثال اور دوسرے نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بہت عمدہ مکان بنایا لیکن مکان میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ تعجب سے کہتے تھے کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑی ہے۔ پس وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں)

جب تک کسی مکان میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے، وہ کامل مکان نہیں ہے۔ دیکھنے والوں کی نگاہیں برابر اس خالی جگہ پر پڑتی ہیں اور وہ اس نقص کا باعث دریافت کرتی ہیں کہ آخر یہ مکان پایہ تکمیل کو کیوں نہیں پہنچایا جاتا۔ اگرچہ تمام اینٹیں اپنی اپنی جگہ نصب ہیں۔ لیکن بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ کونے کا پتھر ابھی نہیں ہے۔ وہ کونے کا آخری پتھر اور قصر نبوت کی پچھلی اینٹ محض اس غرض سے مؤخر کی گئی کہ دنیا دیکھ لے اور یہ امر ظاہر ہو جائے کہ اس قصر کی تعمیر کا سارا دارومدار اور اس مکان کی تکمیل۔ اور ان سب اینٹوں کے کمالات کا انحصار اسی ایک اینٹ اور اسی ایک پتھر پر موقوف ہے۔ جو آفتاب ازل کے طلوع ہونے ہی کے وقت صور علمیہ میں ممتاز ہو چکا تھا۔ اور جو یوم الست کی صبح کو بلی کہنے والوں کا امام تھا۔ عالم کائنات کی تاسیس و تعمیر کا پہلا پتھر ہی وہ پتھر ہے جو اس خالی گوشہ کو پر کرے گا۔ اور ان تمام اینٹوں کی عزت و آبرو کا

اصلی سبب ہوگا۔ اس کی بعثت ان چشم براہ اور لاکھوں انبیوں کے انتظار کو ختم کر دے گی۔ پس جو نا خبر ظہور کمالات کا اصلی باعث ہو اس پر شبہ کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

انبیاء سابقین کی شرائع

عالم ازل میں اعتراف ربوبیت کے وقت ہی حضرت حق سبحانہ کی جانب سے بعثت انبیاء و رسل کا وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا تھا:۔

یٰبنی اٰدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کذبوا باٰیتنا واستکبروا عنھا اولئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون ٥

انسانی زندگی کا اصلی مقصد جب ہی پورا ہو سکتا تھا۔ جب قدرت انسان کو پیدا کرنے کے بعد بھی اس کی رُوحانی تربیت کی ضامن ہوتی۔ اگر اس صفات متقابلہ کے مظہر کو جو بہیمیت و ملکیت کا مجموعہ تھا اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا اور حضرت حق کی طرف سے کامل سرپرستی نہ کی جاتی تو انسان اخلاقی اصلاح سے یقیناً محروم رہتا۔ اور یہ محرومی درحقیقت اس ابدی نعمت سے محرومی ہوتی جس کی بشارت ذیل کے الفاظ میں دی گئی تھی:۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین[1] ٥

جس خدا نے طبیعت انسانی اور اعضاء انسانی میں اعتدال و تسویہ کا لحاظ رکھتے ہوئے صورت جسمیہ کو ترکیب دیا تھا۔ سچ تو یوں ہے کہ اسی خالق و مالک نے رُوحانی تربیت کا بھی پورا پورا انتظام کیا۔

---

[1] اس آنکھوں کی ٹھنڈک کو کوئی شخص نہیں جانتا جو ہم نے نیک بندوں کیلئے پوشیدہ کر رکھی ہے ۱۲

پھر ایک نہ دو بلکہ ہزاروں اور لاکھوں انبیاء سفیرین و مصلحین کو صرف اسلئے مبعوث کیا کہ وہ گم شدگان راہ ہدایت اور عاشقان ذات صمدیت و طالبگاران حیات ابدیت کی صحیح رہنمائی کریں۔ اپنے اپنے زمانہ میں ہر نبی حیات طیبہ کا ایک کامل مجسمہ اور بہترین نمونہ بنکر آیا اور خدا کے گمراہ بندوں کو پکار کر کہا انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون۔

اے لوگو! خدا نے مجھے اعلیٰ اخلاق و اوصاف پر پیدا کیا ہے جو خدائے قدوس کے پسندیدہ ہیں۔ میرے خدا نے مجھے صرف اس لئے مبعوث کیا ہے کہ میں تم کو صبح ازل کی گفتگو یاد دلا کر تمہیں تمہارے وعدوں کا پابند بناؤں۔ دیکھو تمہارا مبدا اور مرجع ایک ہی ہے۔ تمہاری آمد و رفت نظام قدرت کے ماتحت ہے۔ تم خیمہ دین کے لئے اس عالم میں بھیجے گئے ہو تاکہ اس امر کو ظاہر کر دیا جائے کہ تم مادی زندگی میں مبتلا ہو کر کہاں تک اپنی حقیقت سے آشنا رہتے ہو۔ شاید ہی کوئی عہد اور زمانہ بلکہ کوئی صدی اور سال ایسا ہوگا جس میں یہ خدا کے برگزیدہ بندے اس عالم میں تشریف نہ لائے ہوں اور خدا کا پیغام اس کے بندوں کو نہ پہنچایا ہو۔ اگرچہ وقتی اعتبار سے ان کی شرائع میں باہمی قدرے تفاوت بھی ہوتا تھا۔ لیکن اصول کے اعتبار سے یہ سب کے سب علاتی بھائی تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی کام تھا۔ ہر نبی روحانی اصلاح کی غرض سے آتا تھا۔ اور اپنے فرائض کو پوری قوت اور مستعدی کے ساتھ پورا کر کے رخصت ہو جاتا تھا۔ سعید روحیں اپنی گودیاں متاع ایمانی کی لازوال دولت و برکت سے پر کر لیتی تھیں۔ لیکن محرومان ازلی ہمیشہ استہزاء و تمسخر اور طعن ہی میں مبتلا رہتے تھے اور آخر اس ناکامی کی موت مر جاتے تھے۔ جو ایک انسان کیلئے سخت ذلت و رسوائی کی موت ہے۔

یٰحسرۃً علی العباد ما یاتیہم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون[1]

باری عز اسمہٗ کی ربوبیت عالیہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانی ہدایت کے تمام ذرائع انسان کے لیے مہیا کر دیئے۔ لیکن اے بدقسمت انسان تو نے اپنے طغیان و سرکشی کے مقابلہ میں کسی ایک احسان کی بھی قدر نہ کی، تو نے خدا کے برگزیدہ پیغمبروں کی آواز کو اپنی عارضی قوت اور جاہلانہ حرکات سے دبانے کی کوشش کی تو حق کے مقابلہ میں باطل کی فوج لیکر صف آراء ہوا۔ تو نے خدا کے معصوم بندوں کو ہر قسم کی تکلیفیں دیں اور افسوس تو اس کا ہے کہ تو ان تمام ذلیل اور کمینہ حرکات کو اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھا۔ تو نے ان برگزیدہ ہستیوں میں سے بعض کو قتل کر ڈالا اور بعض کو زخمی کر دیا۔ بہت سوں کو گالیاں دیکر سر بازار ذلیل کیا اور ان فرشتہ صفت انسانوں کے حق میں تو نے ہر قسم کی برائی کو جائز اور مستحسن رکھا۔

اے غدار انسان! کیا خالق و مالک کے احسانات کا یہی حق تھا، جو تو نے ادا کیا۔ کیا تیرے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں اور پتھر کے مجسمے اور تیری ناقص عقل کے مختلف فیہ قانون اور تیری موہوم مادی زندگی یہ تمام چیزیں اس قابل تھیں کہ ان پر خدا کی پاک تعلیم اور خدا کے فرستادوں کی صحیح اور معصوم زندگی قربان کر دی جاتی۔ کیا ان معصوم مسلمین کی آبرو اسی لائق تھی کہ تیری خانہ ساز صنعت پر اس کو نثار کر دیا جاتا۔ اللہ اللہ تیری جرأت اور خدا کی رحمت۔ اُف رے کافر۔ اُف رے نافرمان۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ

مارا جائے انسان کیا ہی نافرمان ہے

[1] ان بندوں پر افسوس ہے جب کوئی نبی ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا ۱۲

خاتم المرسلین کی بعثت

اس سلسلۂ انبیاء کو حضرت حق جل شانہ نے ایک ایسی مقدس ہستی پر ختم کیا۔ جس کے بعد نہ اس قانون کی شل کسی قانون کی ضرورت ہے، اور نہ اس جیسے کسی نبی کی بعثت کی حاجت ہے، جب عالم کون کا ظہور ہی ارادے اور مشیت کے ماتحت تھا تو ازل ہیں اسکی عمر بھی محدود کر دی گئی تھی۔ جب کائنات کی بنیاد ہی فنا پر قائم ہے تو ایک دن اُسکو ضرور فنا ہونا ہے۔ پھر جس کے لئے یہ بزم آرائی کی گئی تھی۔ اس صدر الصدور کی آمد بھی ضروری تھی۔ ادہر دنیا اپنی مادی ارتقائی منزلیں بھی پوری کرنے والی تھی۔ قدرت نے ٹھیک اسی دور کی ابتدا میں جبکہ مادیت کی انتہا ہونے والی تھی، اس انتہائی روحانیت کو مبعوث کیا۔ اگر مادیت بجلی اور بھاپ کے کھیل کھیلنے کو تیار تھی اور اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کے دور کو پورا کر کے فنا کے قریب ہونے والی تھی تو روحانیت کی تکمیل بھی لازمی تھی تاکہ خدا کی حجت دُنیا کے بسنے والے انسانوں پر پوری ہو جائے اور کل کسی ذی عقل کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ انا کنا عن ھذا غافلین۔

جب خدا کی چھُپی ہوئی مادی طاقتیں ظہور پذیر ہونے والی تھیں تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قدرت کی وہ رُوحانی طاقت جو ازل ہی سے اس کی نظر انتخاب میں چھپی ہوئی تھی ظاہر نہ ہوتی، ادھر یورپ نے مادیت میں قدم بڑھایا اور اُدھر دنیا میں ایک بے سر و سامان قوت کا ظہور ہوا جس نے بطحا کی کنکریوں پر فاران کی وادی میں ایک ریتیلی زمین پر بلا کسی وسائل و ذرائع کے وہ مکمل قانون مرتب کیا جس سے یورپ کے ملحدوں اور دہریوں کی گردنیں جھک گئیں۔ مادہ پرست یورپ نے آخر عاجز آ کر قانون محمدیؐ

کے آگے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ شکست کا اعتراف کر لیا۔ لارڈ مکالے کی تعزیرات نے ہزاروں ترمیمیں قبول کر لیں۔ لیکن حجاز کا ریگستانی اور تیرہ سو برس کا قانون آج بھی ایسا مکمل ہے کہ گویا آج ہی بنا ہے۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

آج یورپ ہوا میں اُڑ رہا ہے۔ بھاپ اور بجلی کی عارضی طاقت کے بھروسہ پر فرعون و نمرود کی طرح خدائی دعوے میں مشغول ہے۔ لیکن حجاز موجودہ تہذیب سے بالکل نا آشنا ہے۔ وہاں کے باشندے ابھی تک موٹر کو جادو کی گاڑی اور ٹیلیفون کو الشیطان یتکلم فیہ (اس میں شیطان بولتا ہے) کہہ رہے ہیں۔ بھلا تیرہ سو برس پیشتر یہ خطۂ زمین تہذیب و تمدن سے کس قدر نا آشنا ہوگا۔ اس زمانہ کے بُعد عن التہذیب کا تصور کرو۔ اور پھر بیوی آمنہ کے یتیم بچہ کا قانون سامنے رکھ کر انصاف سے کام لو وسائل کے فقدان اور اس کی اُمیّت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خدارا انصاف کرو۔ کیا یہ ایک انسانی عقل کا کرشمہ ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا مکمل قانون دُنیا کی تہذیب سے نا آشنا ہو کر بنا سکتا ہے۔ آج یورپ کی مادیت مسیحیت کو ختم کر چکی ہے۔ ہندو دھرم ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ لیکن اس سیلاب کے زمانہ میں صرف ایک اسلام ہے جو یورپ کی مادیت کا پورا مقابلہ کر رہا ہے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس سیلاب کی دہریت نواز موجوں کی طغیانی اسلام کی ایک اینٹ بھی نہیں ہلا سکی۔ کیا اس سے بڑھ کر اسلام کی صداقت کیلئے کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ عیسائی مسیحیت سے اور ہندو ویدک دھرم سے تنگ آ چکے ہیں۔ لیکن مسلمان آج پھر از سرِ نو تبلیغی مذہب کی اشاعت کے لیے سر بکف نظر آتے ہیں اور میں صاف طور پر

عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس بیسویں صدی میں ہر سوسائٹی کے خانہ ساز مذہب کا زندہ رہنا مشکل ہے۔ ہر قسم کے جدید و قدیم مذہب بازار کی منڈی میں آچکے ہیں، اب دُنیا دیکھے گی کہ کونسا مال زیادہ فروخت ہوتا ہے۔ کفر و الحاد کے شیدائیو! تم کب تک دُنیا کو دھوکہ میں رکھ سکتے ہو۔ تم اپنے نفس کو خود تو دھوکہ دے سکتے ہو لیکن دُنیا کے کروڑوں انسان ہمیشہ دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا کے ایک برگزیدہ اور مقدس بندے نے حجاز کی مقدس و مطہر زمین میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر جو صدا بلند کی تھی وہ آج ہر ایک شہر اور قریہ میں گونج رہی ہے وہ آواز کوئی نئی آواز نہ تھی، بلکہ وہ دین الٰہی کا وہ پیام تھا جو ہر زمانہ میں خدا کے مقدس نبی خدا کے بندوں کو پہنچاتے رہے ہیں۔ اب سے بہت پہلے کلیم اور خلیل بھی اسی پیغام کے پیغامبر بن چکے تھے۔ آج تک ہزاروں لاکھوں نبی مبعوث ہو چکے ہیں۔ جب تک دُنیا کے انسان ابتدائی منازل میں تھے۔ تو ان کے لئے قانون الٰہی بھی مختصر اور سادہ تھا۔ لیکن جب دُنیا ایک آخری کروٹ لینے والی تھی اور ارتقار کا آخری منظر اپنی انتہائی شکل میں پیش ہونے والا تھا تو اس زمانہ کی ہدایت کے لئے بھی ایسے ہی انسان کی ضرورت تھی۔ جو دُنیا کے سامنے انسانی زندگی کا ایسا بہترین نمونہ پیش کرے جس سے دُنیا آج تک ناآشنا تھی۔ قدرت نے اسی دن کے لئے اس گوہر بیش بہا کو چھپا رکھا تھا۔ ادھر مادہ پرستوں نے بالکل نئی اور اچھوتی معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچایا، اور ادہر خالق کائنات نے روحانیت کی ایک ایسی انوکھی تصویر پیش کی جس کو دیکھ کر نئی ایجادات و جدید اختراعات کے موجدین کی عقول متحیر ہو گئیں۔

اس کی امانت، دیانت، اور اس کی صداقت و ذکاوت پھر اس پر سے

خداداد فہم و فراست اس کی اعجاز بیانی شجاعت دلیری روحانیت و سخاوت اور اسی قسم کے ہزارہا اوصاف نے کفار مکہ ہی کو متحیر و عاجز نہیں کر دیا تھا بلکہ کفار امریکہ و لندن پیرس و جاپان کے نحاش اور کفار ہند بھی آج اسی طرح متحیر ہیں جس طرح کسی زمانہ میں ابوجہل، ابولہب، اور ولید بن مغیرہ جیسے سرکش و کافر متحیر تھے۔ قوم پرستی کے مردود و ملعون جذبہ سے قطع نظر کر لیا جائے تو آج کونسا دل ہے جو کمالات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معترف نہیں ہے۔ دنیا میں وہ ایک ہی انسان تھا جس کو قدرت نے اپنی گوناگوں صفات کا کامل آئینہ بنا کر بھیجا تھا۔ اسکی تعلیم اگر ایک طرف حقوق اللہ کی ضامن تھی تو دوسری طرف اسی آب و تاب کے ساتھ حقوق العباد کی بھی کفیل اور ضامن تھی۔ اس کا دین نہ تو خالص سنیاسی تھا اور نہ محض مادیت کا حامی تھا۔ بلکہ وہ جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کرنے کو لایا۔ وہ دین و دنیا کا مجموعہ تھا۔ وہ خود حیات طیبہ کا ایک مجسمہ اور مکمل نمونہ تھا۔ پھر اس نے اپنی بعثت کے بعد جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی وہ ایسی کامل اور مقدس تعلیم تھی۔ جس پر عمل پیرا ہونے ہی سے ایک انسان صحیح انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا نے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ انسان کی زندگی کا اب تک مطالعہ نہیں کیا۔ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت گھر گھر پہنچ چکی ہے۔ شاید ہی آج تک کسی دوسرے انسان کی زندگی اور سوانح حیات اتنے عام ہوئے ہوں جسقدر کہ اب تک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر متنفس کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ اس مقدس پیغمبر کی زندگی کے لیئے اسفار و دواوین بھی کافی نہیں ہیں۔ تمام انبیاء سابقین اس کے فضائل و اوصاف اپنی امتوں کو سناتے رہے۔ کتب سابقہ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ باوجود تحریف و تبدیل کے ان کتابو

میں صدہا مبشرات موجود ہیں۔ اتنی وسیع زندگی کے لئے یہ چند اوراق کیونکر متحمل ہو سکتے ہیں۔ ہر چند کہ اس حیات طیبہ کی ورق گردانی اعادہ مکررات کے مرادف ہوگی۔ لیکن ھو المسك ما کررتہ یتضوع حضور کی زندگی کے واقعات کو بار بار ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی مشک کو بار بار ہلائے جتنی مرتبہ کوئی مشک کو حرکت دے گا اتنی ہی خوشبو زیادہ ہوگی۔ ناظرین ایک دفعہ روح محمد رسول اللہ پر درود خوانی کرلیں تو ہم ایک بہت ہی مختصر خاکہ پیش کرنے کی عزت حاصل کروں۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

ما ان مدحت محمدا بمقالتی ولکن مدحت مقالتی بمحمد

مرحبا صل علی ہستم ثنا خوان رسول صد سلام من بجسم پاک و بر جان رسول

اے صبا ئے پیک مشتاقان بدرگاہ نبی گو سلام دست بستہ پیش ایوان رسول

دیکھنا وہ چھوٹا سا بچہ ایک چھوٹا سا سیاہ عمامہ باندھے ایک لمبا سا کرتہ پہنے ایک چھوٹی سی قمچی لئے ہوئے حلیمہ کی بکریاں چرا رہا ہے۔ یہی وہ بچہ ہے۔ جس کو ازل میں سب سے پہلے نہ صرف اول خلق کا منصب جلیلہ عطا ہوا تھا۔ بلکہ وہ نبوت کی عزت سے پیدا ہوتے ہی نوازا جاچکا تھا۔ جب کوئی بھی نہ تھا۔ تنہا خالق کی یہ تنہا مخلوق اکیلی ہی سبوح قدوس کا وظیفہ پڑھ رہی تھی تو خدا اسے امام الاولین والآخرین کے خطاب کا مخاطب بنا چکا تھا۔ یہ بکریوں کا چرواہا۔ نہیں نہیں دنیا کے بے شمار انسانوں کا رکھوالا آج حلیمہ کے جنگل میں اس شان سے پھر رہا ہے۔ لیکن دوسرے دن یہی برگزیدہ انسان شام کے بازاروں میں مکہ کی ایک شریف خاتون کا وکیل بنکر تجارت کر رہا ہے۔ نہ معلوم اس اُمّی اور بکریاں چرانے والے کو یہ بہترین طریقہ تجارت کس نے سکھا دیا ہے۔

مکہ میں کوئی تجارتی اسکول بھی نہیں ہے۔ اور قبیلہ سعد کے باشندے تو صحیح گنتی بھی نہیں گن سکتے۔ پھر اس نوجوان نے یہ تجارت کا ڈھنگ کہاں سیکھا۔ کوئی ہے جو اس معمے کو حل کرے؟

تجارت کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ غار حرا میں عبادت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک غار کی عزلت نشینی پھر وہ بھی متواتر کئی کئی مہینے ایک انسانی سمجھ تو اس بھید کے سمجھنے سے یقیناً قاصر ہے۔ یہی عزلت نشینی ایک دن ناموس اکبر کی ملاقات کا ذریعہ بن گئی اور ورقہ بن نوفل کے ان الفاظ نے وہ سب کچھ ظاہر کر دیا جو ابھی تک پوشیدہ تھا۔ ورقہ نے نبوت کے متعلق تو جو کچھ کہا وہ کہا لیکن ایک ایسی بات بھی کہہ دی جس کا کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا۔

یالیتنی اکون حیا حین یخرجک قومک (کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھکو مکہ سے نکالے گی۔)

یہ سن کر حضور نے متعجبانہ لہجہ سے پوچھا کیا میری قوم مجھکو جلاوطن بھی کریگی۔ لیکن ورقہ نے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ لم یات احد بما جئت بہ الا عودی یہ کوئی بات نہیں ہے۔ جو سب کے ساتھ ہوا ہے وہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔

دیکھنے والو! ذرا دیکھنا وہ جبل ابو قبیس کی چوٹی پر خدا کا مبلغ اعظم ایک کمبل کا کرتہ پہنے عمامہ باندھے کیا کہہ رہا ہے۔ یہ یکایک حاضرین نے گالیاں کیوں بکنی شروع کر دیں۔ اس پر پتھروں کا مینہہ کیوں برسنے لگا۔ آخر اس نے کسی کو کیا کہہ دیا؟

صبح کے سہانے وقت میں جبکہ لوگ میٹھی نیند میں ٹھنڈی ہوا کے مزے لوٹ رہے ہیں آمنہ کا یہ ہادی مکہ کی گلیوں میں قولوا لا الہ الا اللہ اور

قوا انفسکم واھلیکم نارا کی صدائیں لگا رہا ہے۔ لوگ رات کو سرہانے
پتھر رکھ کر سوئے ہیں تاکہ صبح کو ان کے مقدس پاؤں کو زخمی کر دیں جو رات بھر خدا
کی عبادت میں اپنے مولیٰ کے سامنے ومن اللیل فتہجد بہ کے حکم کی تعمیل
کے لئے کھڑے رہے ہیں۔ خدا کا یہی مبلغ اعظم جنگ بدر میں ایک بہترین جرنیل
اور جنگی لاٹ کے فرائض انجام دے رہا ہے اور اس خوبی سے فوجوں کو ترتیب
دی ہے کہ تین سو تیرہ کی قلیل تعداد نے ایک ہزار مسلح فوج کو پسپا کر دیا ہے۔
کیا مدینہ میں کوئی حربی کالج تھا۔ اگر نہیں تھا تو یہ جنگ کا طریقہ آخر کس کی تعلیم کا
نتیجہ تھا۔ اس فوجی کمانڈر کا وہ خطبہ پڑھیئے جو یہ عمر کی فوجی بھرتی کے وقت
دیا تھا جس کے ایک ایک لفظ سے شجاعت کے دریا امنڈ رہے ہیں۔

لہ والذی نفسی بیدہ لاخرجن وان لم یخرج معی احد

اس شجاعت بھرے بچن نے سامعین پر جو اثر کیا وہ ان ہزیمت خوردہ
کفار سے پوچھو جو میدان جنگ میں آنے سے پیشتر ہی بھاگ گئے اور خدا تعالیٰ
مسلمانوں کو کامیاب صحیح سالم واپس لے آیا۔

ؔ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا
رضوان اللہ ؀

غزوہ احزاب میں اس امی لقب پیغمبر کی سیاستدانی کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا
کہ کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور صبح سے پیشتر ہی سب لوگ دم ہو کر بھاگ
گئے۔ غرض کیا مبارک زندگی ہے جس میں ہر چیز علیٰ وجہ الاکمل موجود ہے۔

لہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر کوئی میرے ساتھ نہ جائے تو
میں تنہا کفار سے لڑنے جاؤں گا ۱۲ ؔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کی رضامندی
لے کر لوٹے اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ۱۲

حلیمہ کے گھر میں بکریاں چرانا۔ شام میں تجارت کرنا۔ غار حرا میں خاموش عبادت بجالانا۔ فاران کی چوٹی اور مکہ کی گلیوں میں تبلیغ کرنا۔ میدان جنگ میں ایک سپہ سالار ہونا۔ مسجد کی محراب میں نمازیوں کا امام بننا اور ممبر پہ بہترین لیکچرار کے فرائض انجام دینا۔ اور مسجد کے صحن میں قاضی اور جج بنکر فیصلے کرنا۔ پھر بیوی عائشہ کے حجرہ میں رات کو اتنی عبادت کرنا کہ قدم مبارک سوج کر پھٹ جائیں۔ حتی تورمت قدماہ ان تمام اوصاف حسنہ کے باوجود بہترین مقنن جس کے آگے دنیا کے مقننین سربسجود ہو کر اپنے عجز کا اعتراف کر چکے ہوں۔ پھر لطف یہ ہے کہ امی ہیں بے پڑھے لکھے ہیں۔ تختی قلم دوات کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ سلیٹ پنسل کبھی نظر سے نہیں گذری۔ کسی استاد کو شاگردی کا فخر بھی میسر نہیں ہوا۔ ان تمام وسائل ترقی کے فقدان کے باوجود سب کچھ ہیں۔ اور ایسے ہیں کہ تمام دنیا کے انسانوں کو ملا کر وزن کیا جائے تو سب پہ بھاری ہیں۔ ؎

نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط نہ نوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما

آخر یہ سب کچھ کہاں سیکھا کس نے سکھایا۔ دنیا کی تہذیب سے کوسوں دور بیٹھ کر قیامت تک کے لئے قانون کس کی تعلیم سے بنایا۔ کفر والحاد کے غلامو! بولو۔ آخر آج دنیا کی زبانیں کیوں گنگ ہیں! اس کے قرآن کا اس کے قانون کا اس کی مقدس تعلیم کا اسکی روحانیت و اخلاق کا۔ اگر جواب رکھتے ہو تو پیش کرو۔ چودہ سو برس میں بھی اس بے مثل کا مثیل اور اس بے نظیر کا نظیر تمہاری متجسسانہ نظریں تلاش کرنے سے قاصر رہیں۔ تم نے زمین کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ آسمان پر بھی میلوں اڑ چکے ہو۔

زہرہ اور مریخ سے خط و کتابت کا بھی فخر رکھتے ہو۔ چاند کی دنیا میں کودنا چاہتے ہو۔ یہ سب کچھ کر چکے۔ لیکن آج تک ایک انسان کا جواب میسّر نہ آسکا۔ اگر اس دور ترقی میں تم کو اس جیسا انسان نہیں ملا تو اس کا یقین کرو کہ وہ کائنات میں تنہا تھا۔ وہ خدا کی خدائی میں اکیلا تھا۔ اسی کی رحمت کا صدقہ ہے کہ تم زمین پر چلتے ہو اور ہوا میں اڑتے ہو۔ اسی کا صدقہ ہے کہ تم کو ٹھنڈا پانی اور گرم روٹی مل رہی ہے۔ وہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا یا وہ ہوتا، لیکن عالمین کے لئے رحمت نہ ہوتا تو دنیا کے کسی کافر کو بھی اطمینان میسّر نہ ہوتا۔ خدا کی قسم تم نے تو ابھی یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ کیا تھا ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اسلام میں عورت کا مرتبہ

بد قسمتی سے یورپ میں عیسائی اقتدار نے جب سے جگہ حاصل کی ہے اور پولیٹیکل اقتدار کی دیوی نے جس دن سے اسلامی تہذیب سے آنکھیں بدلی ہیں اُس دن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق صدہا قسم کی افترا پردازیوں اور تہمت طرازیوں کا ایک تلاطم خیز طوفان برپا کردیا گیا ہے۔ مقدس اسلام کے خلاف عیسائی دُنیا نے ایک خوفناک سازش کا ایسا وسیع جال پھیلایا ہے۔ جسکے لاتعداد پھندوں اور بیشمار بندشوں نے خدا کی تمام زمین کو گھیر لیا ہے۔ جن ممالک میں عیسائی اقتدار موجود ہے۔ وہاں تو کھلم کھلا اسلام کے خلاف ہر قسم کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ ممالک بھی عیسائیت کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہیں۔ جو نیم آزاد ہیں یا کسی عیسائی حکومت کے زیر انتداب ہیں۔ عیسائی دُنیا کے اس زہریلے اور خوفناک پروپیگنڈے کے جراثیم نے نہ صرف یورپ بلکہ بڑی حد تک ایشیائی ممالک کو بھی مسموم کردیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود ہمارے ملک کے غیر مسلم بھی اسی یورپین پالیسی کے شکار ہو رہے ہیں، اور اس خطرناک سیلاب میں بہے جا رہے ہیں۔ جو یورپ کی جانب سے محض اسلام کو بدنام کرنے کی غرض سے آرہا ہے۔ ہندوستان کا فرقہ آریہ جو ابھی کل کی پیداوار ہے۔ اس نے تو اس معاملہ میں یورپ

تجاوز کیا ہے۔

لیکن اس فرقہ کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی آئے دن اسلام کے خلاف کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے ہیں۔ یہ بلا اصل تو یورپ اور امریکہ کے پادریوں اور مسیحی مشنریوں کی جانب سے شروع ہوئی ہے۔ لیکن ان کی دیکھا دیکھی جیسا میں نے عرض کیا غیر مسلموں کی دیگر اقوام بھی اپنے عناد اور اسلام دشمنی کے باعث اسی بلا میں مبتلا ہو گئیں۔

اگرچہ اس مصیبت کا صحیح علاج تو سیاسی اقتدار کا حصول تھا۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار نہ ہو اور دنیا میں اسکی پلیٹیکل ساکھ نہ قائم ہو اُس قوم کا نہ مذہب محفوظ رہ سکتا ہے، اور نہ اُسکی تہذیب و تمدن کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سیاسی اقتدار کی واپسی فی الحال غیر متوقع ہے۔ مستقبل قریب میں اس امر کے امکانات بہت ہی مستبعد ہیں کہ مسلمانوں کا گم شدہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کے پاس دوبارہ آجائے۔

مدافعت کا طریقہ

ایسی حالت میں کہ جب مسلمانوں کے پاس پولٹیکل اقتدار، وضع قوانین کی قوت نہ ہو، اور نہ اُن کے قبضے میں تنفیذ احکام کی طاقت ہو تو بجز اس کے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے کہ پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈے ہی سے دیا جائے، کتابوں اور رسالوں کے جواب میں. کتابیں اور رسالے لکھے جائیں اور اخباری مضامین کا جواب اخبارات میں دیا جائے۔ اور لیکچروں کا جواب، لیکچر اور تقریروں سے دیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان

کے مسلمان تقریباً نصف صدی سے اسی طریقہ کار پر مجبور ہیں۔ عیسائی مبلغین کی جانب سے جو فتنہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اُس کا جواب مسلمان تقریر و تحریر سے دیتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ دوسری قوموں کی تہذیب اور اُن کے مذہبی فلسفہ کی نامعقولیت کے خلاف آواز اٹھاتے۔ پچاس سال سے برابر ان حملوں کی مدافعت کر رہے ہیں، جو عیسائیوں کی جانب سے اصالتاً اور دیگر غیر مسلم اقوام کی طرف سے وکالتاً مسلمانوں پر کئے جا رہے ہیں بعض غیر مہذب اہل قلم نے بہت ہی دلخراش اور جگر سوز طریقہ اختیار کیا تھا۔ لیکن آخر قانون کی بعض دفعات نے اُس میں اعتدال پیدا کر دیا۔ اور اس قسم کے جارحانہ حملہ کرنے والوں کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔ لیکن ان ہفوات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں یہ سلسلہ اُس وقت تک بند ہونے والا نہیں۔ جب تک قدرت کی غیبی قوت مسلمانوں کو وہ طاقت عطا نہیں کرتی۔ جو اُس نے مسلمانوں کو دے کر اُن سے بعض پوشیدہ مصالح کی بنا پر چھینی ہے۔

غلامی کی حالت

اس میں شک نہیں کہ مسلمان کم و بیش پچاس ساٹھ سال سے ڈیفنس کر رہے ہیں۔ اور ان حملوں کا جواب اپنی قلم اور زبان سے دے رہے ہیں۔ جو اُن کے خلاف غیر مسلم اقوام کی جانب سے کئے جا رہے ہیں، اور جن کا مبنیٰ محض بغض و عناد اور اسلام سے دشمنی و عداوت ہے اور جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور اسکی عام مقبولیت کو روکا جائے اور جس طرح ہو سکے اسلام کی شہرت کو نقصان

پہنچایا جائے۔ تاکہ یہ ہمہ گیر مذہب اپنی ہمہ گیری کے باعث دُنیا کی قوموں کو اپنے اندر جذب نہ کرلے۔ اسی منحوس و مشوم جذبہ کے ماتحت عیسائیوں نے اسلام کے خلاف صدیوں جدوجہد کی اور اسی ناپاک جذبہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندو عجیب و غریب مضحکہ خیز حرکتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو دُنیا کا ہر غیر مسلم اس فکر میں گھلا جاتا ہے کہ اسلام کیوں ترقی کر رہا ہے۔ اور اسلام کے لئے اتنے اچھے اصول کیوں ہیں، اور اس کے قبول کرنے کو ہر انسان کا دل کیوں چاہتا ہے۔ جس بدبخت کو دیکھئے اُس کو یہ ڈر کھائے جاتا ہے کہ کہیں ہم فنا ہو جائیں، اور کہیں اسلام ہماری قومیت کو جذب کرلے۔ اپنی قومیت کے تحفظ اور بچاؤ کے وہمی تخیل نے غیر مسلموں کو اس پر مجبور کیا ہے کہ جس طرح ہو سکے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے اور دُنیا کو اسلام کی ایسی بھیانک تصویر دکھائی جائے۔ اور اسلام کا نقشہ اس بُری طرح کھینچا جائے کہ دُنیا اسلام سے متنفر ہو جائے۔

اچھوت اقوام

قومیت کے تحفظ اور اسلام کے بچانے کی غرض سے پچھلے دنوں ہندو مہا سبھا کے ذمہ دار اور غیر ذمہ دار حضرات نے تو اچھوت کو یہاں تک مشورہ دیدیا کہ اگر تم ہندو دھرم ترک کرنے ہی پر مجبور ہو، اور ہندو دھرم پر تم کو بھروسہ نہیں ہے تو سکھ بن جاؤ، اور سکھ بننے سے بھی تمہارا مطلب پورا نہ ہو تو عیسائی ہو جاؤ، لیکن اسلام قبول نہ کرو۔ تنگ نظری اور تخیل کے پست ہونے کی اس سے بھی کوئی بدترین مثال مل سکتی ہے کہ اچھوت اقوام کو بجائے مسلمان ہونے کے عیسائی ہونے کا مشورہ دیا جائے۔ حالانکہ اچھوت اقوام کا

عیسائی مذہب قبول کرنا سیاسی زاویہ نگاہ سے بھی سخت مضر ہے۔ یہ اچھوت اقوام کو عیسائی ہونے کا مشورہ دینا گویا۔ گورنمنٹ برطانیہ کی حفاظتی فوج کو ہمیشہ کے لئے دعوت دینا ہے۔ مگر اس اسلام دشمنی کا کیا علاج کیا جائے۔ جس نے مہاسبھا کے نیتاؤں اور رہنماؤں کو اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ بہر حال محض اس خوف سے کہ اسلام ہماری قوم کو جذب نہ کر لے۔ اسلام کی شہرتِ عامہ کے خلاف ہر قسم کی ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔

مدافعت کی طاقت

میں نے عرض کیا ہے کہ مسلمان تقریباً پچاس ساٹھ سال سے مدافعانہ کارروائیوں میں مشغول ہیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ غلامی اور عبودیت کی حالت میں کسی قوم کو وہ قدرت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ جو ایک آزاد اور حکمراں قوم کو حاصل ہوا کرتی ہے۔ یوروپین مشنریوں کے پاس پروپیگنڈا کے جو ذرائع موجود ہیں۔ وہ ان غریب مسلمانوں کے پاس کہاں ہیں جو دنیا کے ہر گوشہ میں محکوم اور نیم محکوم ہیں۔ نہ اُن کے پاس روپیہ ہے۔ نہ اُن کے پاس نظم ہے۔ نہ اُن کے پاس پریس ہے۔ نہ اُن غریبوں کے ہاتھ میں طاقت ہے۔ غرض وہ تمام چیزیں جو غیر مسلموں کے گھر میں موجود ہیں۔ ان بیچاروں کے ہاں معدوم و مفقود ہیں۔ پھر اپنی استطاعت کے موافق جس قدر کر سکتے ہیں کر رہے ہیں۔

غیبی امداد

قدرت کی خاموش طاقتیں جو ہمیشہ اسلام کی مدد و معاون رہی

ہیں، اور جنہوں نے ہر آڑے وقت اور نازک دور میں مسلمانوں کی اعانت فرمائی ہے۔
ان ہی پوشیدہ اور خاموش طاقتوں نے اس بے بسی، بیکسی اور غلامی کی حالت میں
مسلمانوں کی امداد فرمائی، اور ان معترضین اور غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو ایسے
دنداں شکن جواب دیئے ہیں کہ اگر ان میں دیانت اور انصاف ہوتا تو آئندہ مقدس
اسلام کے کبھی منہ نہ آتے، اور ہمیشہ کیلئے خاموش ہو جاتے ولا یاتونک
بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا۔ یعنی جب آپ کے خلاف
معاندین اور کفار کوئی مثال یا اعتراض گھڑتے ہیں تو ہم ان کو اس اعتراض کا بہترین
جواب دیتے ہیں، اور زمانہ کا انقلاب ان کو ایسا صاف اور صریح سبق دیتا ہے کہ ان
کا اعتراض خود ان ہی پر لوٹ جاتا ہے۔

مثلاً یورپ نے مسئلہ طلاق پر اعتراض کیا اور اسلامی طلاق کے خلاف
بدترین پروپیگنڈا کیا۔ طلاق کو ایک عیاشی کا ذریعہ بتایا گیا۔ طلاق کی شکل اس طرح
مسخ کر کے دنیا کو دکھائی گئی کہ یورپ کی سفید دنیا اسلام کے نام سے خوف
کھانے لگی۔ لیکن حوادثات دہر نے ایسے انقلابات رونما کئے کہ وہی یورپ
جو طلاق کو مضحکہ خیز بتاتا ہے۔ خود طلاق ایکٹ بنانے پر مجبور ہو گیا ہندوستان
کے متعصب ہندوؤں نے بھی یورپ و امریکہ کی تقلید میں اول اول طلاق کے
خلاف بہت زہر اگلا لیکن بالآخر مہاراجہ بڑودہ بھی طلاق ایکٹ بنانے اور
اپنی ریاست کے حدود میں اس کو جاری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرف
حضرت حق نے ولا یاتونک بمثل کی آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ یہی حال ان
متعصبین کا دوسرے مسائل میں بھی ہوا اور قدرت نے ان کو نیچا دکھایا مثلاً بیوہ
کا نکاح ورثہ متبنّی کو حقیقی اولاد سمجھنے کی لغویت، اچھوت اقوام کو مساوی حقوق
دینے کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ

غرض اسلام پر جو جو اعتراض کرتے رہے قدرت ان کو انہی کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کرتی رہی۔ قدرت کے اس سلوک کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی اپنے اس فریضہ سے غافل نہ رہے، اور باوجود استطاعت کے جسقدر خدا نے ان کو طاقت دی ہے۔ ہر اعتراض کا جواب مدلل و مبرہن دیتے رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ غلامی اور کمزوری کے باعث مسلمانوں کے جوابات کا وہ اثر نہ ہوا جو ایک آزاد اور حکمراں قوم کی بات کا ہوا کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک دلائل براہین کا تعلق ہے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے ان الزامات کا پوری تحقیق کے ساتھ جواب دیا جو یورپ اور یورپ کے ایشائی متعصبین کی جانب سے اسلام کے خلاف لگائے جاتے رہے۔

مختلف الزامات

اس مضمون میں ان تمام مسائل کا احصار تو مشکل ہے کیوں نکہ جس دن سے کہ فاران کی بلندی پر اور مکہ کی گلیوں میں کلمۃ الحق کی آواز بلند کی ہے۔ اس دن سے باطل نے آج تک حق کو مٹانے اور حق کی آواز کو دبانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ البتہ کچھ دنوں کے لیے باطل کی آواز نے اپنا رُخ بدل دیا تھا اور بجائے ظاہری شور و شغب کے خفیہ سازشوں اور گمنام کمینگاہوں کے دامنوں کو اپنا مامن اور ملجا بنا لیا تھا۔ اور یہ دن وہی تھے۔ جب اسلام کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار اور پولٹیکل قوت تھی جس دن سے سیاسی اقتدار میں اضمحلال رونما ہوا اُسی دن سے باطل نے پھر اپنے پُرانے ہتھیار سنبھالے اور اسلام پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُن ہی اعتراضات کہنہ اور الزامات قدیمہ کو دُہرانا شروع کیا جو ابتدائے اسلام کے دور میں کئے جاتے رہے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ

اس دوران میں اُن اعتراضات کی نوعیت مختلف ہے۔ تہذیب و تمدن کی تبدیلی نے اُن اعتراضات سابقہ میں بھی نمایاں فرق کر دیا ہے۔ اُس وقت جن اعتراضات کو سادہ اور معمولی سمجھا جاتا تھا آج اُن اعتراضات کو مختلف عنوانات اور پُر شوکت الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ بہر حال غیر مسلموں کے تمام الزامات اور اُن کے جوابات کا اسوقت احصار اور شمار مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک خاص مسئلہ جو آج کل یورپ کے بعض شریر النفس انسانوں نے مابہ النزع بنا دیا ہے۔ صرف اُس کے متعلق عرض کرنا مقصود ہے۔

عورت کی حیثیت

منجملہ دیگر مسائل کے ایک اہم مسئلہ جس کا نام لے کر یورپ کے مسیحی اور ہندوستان کے متعصب ہندو اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔ وہ عورت کا مسئلہ ہے یعنی انسانی جماعت اور اولادِ آدم کی سب سے پچھلی صف میں اسلام نے عورت کو جگہ دی ہے۔ اسلام عورت کو بہت ذلیل سمجھتا ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت میں رُوح حیوانی ہی نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کی کوئی قیمت ہی نہیں لگائی ہے۔ عورت کی حیثیت اسلام میں غلاموں سے بدتر ہے۔ عورت کا نام لے کر اسلام کے خلاف یہ بدترین پروپیگنڈا یورپ کے پادریوں نے ٹھیک اُس وقت شروع کیا تھا جبکہ یورپ بے غیرتی اور بے حیائی کی ابتدائی منزل میں قدم رکھ رہا تھا۔ یورپ کا ابتدائی دور جس آب و ہوا میں ترقی پذیر ہوا ہے۔ اُس کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ وہ انتہائی خبیث اور ناپاک فضا تھی۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا زوال اور ایک عرصہ کے بعد اسلامی

حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد جو قدم اٹھایا گیا۔ وہ ظاہر ہے کہ پوری قوت کے ساتھ انتہائی رجعت پسندانہ قدم تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ یورپ کا ہر فرد جملہ قیودات اور پابندیوں سے آزاد ہو کر ترقی کر رہا ہو۔ عورتیں، مردوں سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس وقت اس قسم کا شرمناک پروپیگنڈا کرنا اور یہ کہنا کہ اسلام نے عورت کو ہر قسم کے مراعات سے محروم کر رکھا ہے۔ اور اسلام تو عورت کے روح ہی نہیں مانتا، اور اسلام کے نزدیک سوسائٹی میں عورت کی کوئی جگہ نہیں ہے جو کچھ نتیجہ پیدا کر سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اس قسم کی مکروہ افترا پردازیوں کا جو اثر صنف نازک پر ہوا ہوگا۔ وہ ظاہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں اسلام کے خلاف جذبات نفرت و حقارت کا اس قدر ہجوم ہوا کہ ہر قسم کے صحیح خیالات اور صحیح جذبات کے لیے تمام راہیں بند ہو گئیں، یورپ اور امریکہ کی تمام سوسائٹیاں اسلام کے خلاف پروپیگنڈے سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اسلام کو ایک خوفناک وحشت و بربریت کا مجسمہ سمجھنے لگیں اور عورتیں تو اسلام کے نام سے اتنی خوفزدہ ہو گئیں کہ اگر کبھی سوتے میں بھی اسلام کا نام سن لیں تو چونک پڑیں۔ ایک زمانہ یورپ میں ایسا بھی گذرا ہے کہ جس طرح ہماری عورتیں بچوں کو سلاتے وقت بی شادی یا اللہ کے فضل یا ہوّے سے ڈرایا کرتی ہیں۔ اسی طرح یورپین عورتیں اپنے بچوں کو سلاتے وقت اسلام کے نام سے ڈرا کر سلایا کرتی تھیں۔ یورپ اور امریکہ کے اس غلط پروپیگنڈے اور مکروہ افترا پردازی کے خلاف مختلف اہل قلم حضرات نے جواب لکھے جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔

بیگم مولانا محمد علی

گذشتہ دنوں جمعیت علمائے صوبہ دہلی کے سالانہ اجلاس میں، میں نے اس ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے بیگم مولانا محمد علی کی صدارت میں، ایک مفصل اور مبسوط تقریر کی تھی۔ اس موضوع پر تقریر کی ضرورت بھی اس لئے مجھے پیش آئی کہ چند دنوں سے ہمارا وہ نوجوان طبقہ جو اپنے کو تعلیمیافتہ سمجھتا ہے۔ اور جس کا معیار تعلیم وہی ہے جو آج کل اسکولوں اور کالجوں میں مُروّج ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک خاص مقصد کے ماتحت بچوں کو اس قدر تعلیم دی جائے کہ وہ آیندہ ہندوستانی حکومت کے کسی دفتر میں ملازم ہو کر اپنا پیٹ پال لیں۔ اس خودساختہ تعلیمیافتہ طبقے کو نہ اسلام کی خبر ہے نہ اسلامی تعلیمات سے آگاہ اور واقف ہے۔ چونکہ اس طبقہ کی پرورش اور اس کا نشوونما ہی ایسے ماحول میں ہوتا ہے، جہاں مذہب اور مذہبی تہذیب کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اہل علم کی تذلیل و توہین کا ارتکاب ہوتا ہے۔ نوجوان طبقہ چونکہ اپنے مذہب سے ناواقف ہوتا ہے۔ اور اکثر یورپین مصنفین اور مورخین کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اکثر ان اعتراضات فاسدہ کا اثر اس کے دماغ پر مسلّط اور مستولی ہو جاتا ہے۔ جو خاص اغراض کے ماتحت یورپین مصنف وضع کیا کرتے ہیں۔ اور اسلام کو ان اعتراضات سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس ضرورت کے پیش نظر میں نے اس موضوع پر تقریر کی تھی، تقریر کے بعد ہی میرے بعض احباب نے اس کو قلمبند کرنے کی خواہش کی تھی۔

لیکن عدیم الفرصتی کے باعث میں قلم بند نہیں کر سکا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میرے دوست مسٹر ہلال احمد صاحب نے "اجتماع" کے لئے اس

مضمون کی خواہش کی اور میں نے اُن سے وعدہ کر لیا۔ ادھر بیگم مولانا محمد علی کا بھی اصرار تھا کہ یہ تقریر شائع ہونی چاہیئے تاکہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اس غلطی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ جس میں وہ آجکل یورپین مسیحیوں کے غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے مبتلا ہو رہا ہے۔

دُنیا کے دو بڑے فریق

کسی مسئلہ کی حقیقت پر غور کرنے اور اُس کے اصول و فروع پر بحث کرنے سے بیشتر اس امر کا لحاظ کرنا چاہیئے کہ ابتدائے آفرینش سے لیکر اس وقت تک دُنیا میں دو بڑے گروہ رہے ہیں۔ انسانوں کا ایک فریق وہ ہے جو اپنے زمانہ کے پیغمبر پر ایمان لایا اور تمام معاملات میں اس پیغمبر کی اطاعت کرتا رہا۔ اس کے بالمقابل وہ فریق ہے جو کسی پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتا نہ کسی نبی کو تسلیم کرتا ہے۔ ان دونوں قسموں کی تقسیم اس طرح کی جا سکتی ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم۔ اگرچہ بعض اقوال کی بنا پر میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کا لقب مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ سے ہوا اور لفظ مسلمان کی اصطلاح ملت ابراہیمی کی پیداوار ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی آیت ھو سمکم المسلمین سے ظاہر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نبیوں کے زمانہ میں یہ لفظ نہیں ملتا۔ البتہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقریروں میں لفظ مومن ملتا ہے۔ باوجود اس کے کہ لفظ مسلم کی اصطلاح حضرت ابراہیم سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن میں نے آسانی کی غرض سے اپنی تقسیم کو صرف لفظ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ محدود کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس امر کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ لفظ مسلم سے میری مُراد صرف وہ فریق ہے جس نے

اپنے پیغمبروں کی تعلیم میں تحریف و تبدیل سے کام نہیں لیا ہے۔ جو لوگ پیغمبر کا نام لیتے ہوں۔ لیکن اُس کی صحیح تعلیم محفوظ نہ رکھتے ہوں اُن کو بھی غیر مسلموں کی فہرست میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس قید کا یہ فائدہ ہوگا کہ موجودہ عیسائی اور یہودی بھی، مشرکوں اور بُت پرستوں کی طرح مسلمانوں کے فریق سے علیحدہ ہو جائیں گے، اور اب میری تقسیم کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک فریق میں دُنیا بھر کے دہریئے، ملحد لامذہب، عیسائی، یہودی، مجوسی، بُت پرست ہیں، اور دوسرے فریق یعنی مسلمانوں میں صرف وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُن کی صحیح تعلیم کے معتقد ہیں۔

طریق استدلال

میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آسمانی تعلیم میں عام طور سے عورت کی کیا حیثیت رہی ہے اور انبیائے سابقین نے اپنے اپنے زمانہ میں عورت کو کس طرح روشناس کرایا ہے۔ اگر مجھے ایسی ضرورت پیش آئی تو میں اسی صورت میں یہ استدلال کر سکتا ہوں کہ جب قارئین کرام اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھنے والے سب ایک برادری ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انبیاء سابقین کے انہی اقوال و اعمال سے استدلال کیا جائے گا۔ جن کی قرآن اور حدیث میں توثیق و تصدیق ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ ہمارے پاس کسی نبی کو نبی سمجھنے اور اس کی تعلیم کو آسمانی تعلیم کہنے کا اس وقت کوئی ذریعہ سوائے قرآن شریف یا سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے نہیں ہے۔ اس لئے اگر ہم کو اپنے مضمون میں کسی گذشتہ پیغمبر کی تعلیم سے استدلال بھی کرنا ہوگا تو ہم اسی تعلیم کو معتبر سمجھیں گے جس کو قرآن نے

بتایا ہو یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلمات طیبات میں اس تعلیم کا ذکر کیا ہو۔ اور اُسکے نسخ کی تصریح کی ہو۔

مختلف زمانوں میں عورت کی حیثیت

اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلم اقوام نے یعنی وہ حضرات جو انبیاء علیہ السلام کی صحیح تعلیم سے محروم ہیں۔ ہمیشہ عورت کے معاملہ میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت ہر تہذیب اور ہر زمانہ میں مختلف سلوک اور مختلف برتاؤ کی گہوارہ رہی ہے۔ پرانے مجسموں اور پرانی تصویروں سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس کو قابل پرستش دیوی کا بھی لقب دیا جا چکا ہے۔ عورت کی تصویر عبادت گاہوں کی زینت بن چکی ہے اور ہندوستان میں تو بہت سے مقامات پر اب تک عورت کی شرمگاہ کو باقاعدہ طور پر پوجا جاتا ہے لیکن بعض دور اس صنف نازک پر ایسے بھی گذرے ہیں کہ جب اس بیچاری کو نہایت ہی ذلیل سمجھ کر بہت ہی بُرے سلوک کا مستحق قرار دیا گیا۔ چونکہ عورت پر مختلف دور گزرے ہیں، اس لئے کوئی حکم لگانا بہت مشکل ہے۔ البتہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعتقاداً اس غریب کو کسی زمانہ میں کتنا ہی اونچا سمجھا گیا ہو۔ اور خواہ اس کو قابل پرستش خیال کیا ہو لیکن جہاں تک عمل اور برتاؤ کا معاملہ ہے بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اس صنف ناز کے ساتھ شریفانہ برتاؤ نہیں کیا گیا۔ پرانی تہذیبوں اور قدیم زمانہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس میں تو انسان کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جس تہذیب میں بتوں کے سامنے چار چار لاکھ غلام ایک دن میں نہایت بیدردی و بیرحمی کے ساتھ ذبح کئے جاتے ہوں۔ وہاں بیچاری عورت کے ساتھ کیا سلوک

ہوتا ہوگا۔ میں تو یہ عرض کرتا ہوں کہ موجودہ دور کی تہذیب میں بھی عورت کے ساتھ جو برتاؤ کیا جارہا ہے۔ وہ اس سے بہت کم ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی تہذیب میں عورتوں کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

عورتوں کے ساتھ عام سلوک

غیر مسلم اقوام کی سابقہ اور موجودہ تہذیب پر نظر رکھنے والا انسان اس نتیجہ پر نہایت آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا ہے کہ عورت کو ہمیشہ مملوکہ اور مقبوضہ شئے سمجھا گیا ہے جس طرح اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ کو انسان اپنی ملکیت سمجھ کر ان پر قبضہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ مرد کی ایک منقولہ جائداد ہے۔ جس سے ہر طرح کا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور دل سے اُتر جانے یا کسی اچھے گاہک کے مل جانے پر وہ فروخت کی جاسکتی ہے یا اصل مالک کے مرجانے کے بعد مثل دیگر اموال کے ورثا میں تقسیم کئے جانے کی مستحق ہے، رومن تہذیب، یونانی تہذیب، چینی تہذیب، ہندوستانی تہذیب، مصری تہذیب، سو برس پہلے کی یورپین تہذیب، غرض کوئی تہذیب لے لیجئے عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور بدسلوکی میں کچھ مختلف ہوں تو ہوں لیکن ایک چیز میں تو یہ سب تہذیبیں مشترک پائی جاتی ہیں، اور وہ عورت کی مملوکیت ہے۔ یعنی ایک مال مقبوضہ ہے جو ضرورت کے وقت فروخت بھی کی جاسکتی ہے۔ رہن بھی رکھی جاسکتی ہے۔ عورت کا تبادلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور کبھی ضرورت کے موقع پر ایک شراب کے پیالے اور ایک صاع جَو کے بدلے میں بھی فروخت کی جاسکتی ہے۔ اور جب عورت کو مملوک سمجھا جائے تو پھر اس کی ذاتی حیثیت کی تو بحث ہی کیا ہوسکتی ہے۔ جب

وہ خود مملوک ہے تو بھلا کسی دوسرے کی مالک کیا بن سکتی ہے۔ وہ مورث تو ہو سکتی تھی۔ لیکن وارث نہیں بن سکتی تھی۔ عورت کے لیے جس تہذیب میں بھی قوانین مرتب ہوئے ان کا منشا یہی تھا کہ عورت کے مرتبہ کو گھٹایا جائے۔ بودھ کی تہذیب میں تو عورت کو اتنا ذلیل سمجھا گیا تھا کہ اسے گناہ کشی اور علیحدگی کا حکم دیا گیا تھا۔

چینی تہذیب میں عام طور سے عورت کو ضدی اور ہٹ دھرم سمجھ کر یہ خیال کیا گیا تھا کہ اس کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے کیونکہ یہ آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنا نہیں جانتی۔

یونانی تہذیب کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفر کی عورت کے متعلق یہ رائے تھی کہ اس کو کسی حیثیت سے مردوں کے برابر نہ ہونے دو۔ اور اگر عورت کو مساوی حق دیدیا گیا تو پھر عورت قابو سے باہر ہو جائیگی۔ رومن تہذیب میں تو عورت کا لقب ہی بدتہذیب اور مجسمہ تلون تھا۔ جن قوموں کی تہذیب میں غیر فطری طریقوں کا بھی رواج تھا یا جس قوم کے نوجوانوں کے منہ کو غیر فطری طور پر خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا چسکا لگ گیا تھا۔ ان قوموں میں اور اس تہذیب میں عورتوں کی اور بھی زیادہ مٹی پلید تھی۔

ہندوستان کی تہذیب میں علاوہ ان خصوصیات کے جو اوپر ذکر کی گئیں ہیں۔ عورت کی مملوکیت اور مقبوضیت کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوتا تھا کہ چھوٹی بچیوں اور ننھی ننھی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یا گلا گھونٹ کر جلا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی عورت کا کسی مرد کے نکاح میں آجانے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ قیامت تک وہ اس کی ملک ہے۔ خاوند کے مرنے کے بعد یا یہ ہمیشہ بیوہ ہی بیٹھی رہے یا مملوکہ کو مالک کی ارتھی کے ساتھ ستی کر دیا جائے۔ کہیں کہیں یہ بھی دستور تھا کہ ایک بھائی کی بیوہ دوسرے بھائی کی موروثی شے سمجھی جاتی تھی۔ اور زندہ بھائی کو مردہ بھائی کی بیوہ پر بلا اجازت قبضہ کر لینے کا حق حاصل

تھا۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک بھائی اپنی زندگی ہی میں دوسرے بھائیوں کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق دیدیا کرتا تھا۔ اور ایک شخص کی پکائی ہوئی ہنڈیا میں سب ملکر کھایا کرتے تھے۔ جہاں اور اَن گنت دیوتاؤں کی پوجا یہاں کا دستور تھا۔ اسی طرح خاوند کی عبادت بھی عورت کی زندگی کا ایک بہت بڑا فریضہ تھا۔ خاوند کے پیر دھو کر اس کا پانی پینا اطاعت و فرمانبرداری کا بہترین اصول تھا۔ گھر کے تمام مرد بلکہ نابالغ لڑکے جب تک کھانا نہ کھالیں گھر کی کوئی عورت کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ ہندو تہذیب پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب عورت کا وہی درجہ ہے جو ہندو تمدن میں شودر اور پست اقوام کا ہے۔

عورت کی پراپرٹی اور ملکیت یہاں بھی کچھ نہیں اگر شادی کے وقت جہیز کے طور پر کچھ لیجائے یا شوہر کی جائداد سے گذارے کے لئے کچھ مل جائے تو وہ بھی صرف زندگی تک۔ غرض ہندوستان کی تہذیب میں اس پریم کی دیوی کے ساتھ جس قسم کی بدسلوکی کا پتہ چلتا ہے اتنا شاید دوسری تہذیب میں نہیں ملتا۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہے اس وقت تک ممکن ہے کہ اس کی کوئی قیمت ہو۔ لیکن شوہر کے مرنے کے بعد جو سلوک اس بیوہ کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ تو اتنا خوفناک ہے کہ اسکے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بیاہنے اور شادی کرنے کے بعد لڑکی اور اس کے گھر کو ایسا اجنبی اور غیر سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی کے گھر کا کھانا اور پینا تک ممنوع سمجھا جاتا ہے۔

ایک ہندو دوست کا واقعہ

میرے ایک ہندو دوست نے بیان کیا کہ ہماری نانی آج کل ہمارے

ہی گھر میں رہتی ہیں۔ ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے۔
اس لیئے ہماری نانی آج کل ہمارے ہاں رہتی ہیں۔ میں نے دریافت کیا
کہ کھاتی پیتی بھی آپ کے ہاں ہیں۔ فرمانے لگے۔ ہاں وہ اپنا سب انتظام
علیحدہ رکھتی ہیں۔ ان کا ملازم ان کے خورد و نوش کا سب سامان علیحدہ ہے۔
ان کا کرایہ آتا ہے۔ اس میں سے وہ کھاتی پیتی ہیں۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں کرتی
ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہمارے ہاں بیٹی کے گھر کا نہ کھانا کھا سکتے ہیں، نہ
پانی پی سکتے ہیں۔ میں نے تعجب سے کہا وہ بڑھیا عورت کیا کھاتی ہوگی، اور
اس غریب پر خرچ ہی کیا ہوتا ہوگا۔ یہ سُنکر بولے خیر صاحب دستور سب کے
ساتھ برابر ہے۔ اس میں بڈھے اور جوان کا کیا سوال ہے، ہمارے ہاں بیٹی
کے گھر کی کوئی چیز حتی کہ پان اور چھالیہ بھی نہیں استعمال کر سکتے۔

اسلام سے پہلے عرب کی عورت

عربی تمدن میں عورت کی حالت بہت ہی ردی اور قابل افسوس تھی۔ ان
تمام توہین آمیز برتاؤ اور افسوسناک بدسلوکیوں کے ساتھ جو اوپر ذکر کی گئیں
کچھ اور چیزیں بھی ایسی ہیں جن سے اس صنف نازک کی انتہائی تذلیل کی جاتی تھی
مثلاً بعض قبائل میں عدت کی مقدار ایک سال تھی عورت کو علیحدہ رکھا جاتا تھا۔
پورے سال بناؤ سنگھار تو کر ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن کھانے میں نمک متروک تھا۔
سال بھر تک عورت کو بغیر نمک کے کھانا دیا جاتا۔ نمک چھوڑنے کی وجہ سے
عورت کے جسم میں سمیت پیدا ہو جاتی تھی۔ پھر اس کو گدھے پر بیٹھا کر اس کا جلوس
نکالا جاتا تھا۔ اس کی گود میں اونٹ کی مینگنیاں دیدی جاتی تھیں جو وہ راہگیروں پر
پھینکتی جاتی تھی۔ اس طرح ایک عورت کی عدت ختم ہوتی تھی۔

عرب میں نکاح کے بھی چار طریقے

جاری تھے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے، ایک طریقہ تو نکاح کا معمولی تھا اور آجکل کے اسلامی طریقہ نکاح سے ملتا جلتا تھا لیکن بقیہ تین طریقے نہایت مذموم اور زناکاری کے مترادف تھے۔ ایک عورت کا خاوند اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے پاس بھیجدیتا تھا تاکہ وہ کسی دوسرے شریف آدمی سے بچہ حاصل کرے۔ اس نکاح کا نام استبضاع تھا۔ ایک طریقہ نکاح کا یہ تھا کہ ایک عورت زیادہ سے زیادہ نو آدمیوں کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتی تھی اور نو مردوں میں سے کسی ایک کا نام لے کر کہدیا کرتی تھی، کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ چنانچہ وہ اسی کی طرف منسوب ہوجاتا تھا۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک عورت کا تعلق دس مردوں سے بھی زیادہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو یہ عورت ان سب متعلقین کو جمع کرتی تھی۔ اور پھر قیافہ شناس لوگوں کو بلا کر اس بچہ کو دکھایا جاتا تھا وہ قیافہ شناس اس بچہ کو ان کے متعلقین میں سے جس کا بتادیتے تھے۔ اس کے ساتھ نسب قائم کردیا جاتا تھا۔

عورت کی پروپرٹی اور ملکیت، یہاں بھی مفقود تھی، بلکہ عورت خود ایک مملوکہ شئے تھی، جو ضرورت کے وقت رہن رکھی جاسکتی تھی، جیسا کہ بخاری نے کعب بن اشرف اور محمد بن مسلمہ کے واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ جب مسلمان کعب بن اشرف سے قرض روپیہ مانگنے گئے تو اس نے اطمینان کے لئے کہا کہ تم کوئی شئے رہن رکھدو، اور جب مسلمانوں نے دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو تو اس نے کہا کہ اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ لیکن انھوں نے عورتوں کو رہن رکھنے سے بعض وجوہات پر عذر کیا اور آخر اسلحہ رہن رکھنے پر

معاملہ ہوگیا۔ بیوہ عورت پر میّت کے ورثاء کا قبضہ کر لینا۔ اُس کو دوسرا نکاح نہ کرنے دینا اور زبردستی اپنے نکاح میں لے آنا خسر کا بہو سے ساس کا داماد سے نکاح کر لینا۔ لڑکیوں کو زمین زندہ دبا دینا۔ ایک عورت کا بیک وقت چند آدمیوں کے نکاح میں رہنا، عورت سے علاوہ استفاع نفسانی کے ہر قسم کی خدمت لینا۔ ایک مرد کا بلا کسی تعداد کے بہت سی عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا۔ حرّہ اور آزاد عورت کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کر لینا آپس میں ایک دوست کا دوسرے دوست کی بیوی کو تبدیل کر لینا، عورت کو بلا مہر اور نان و نفقہ کے گھر سے نکال دینا۔ اگرچہ عرب میں مرد کے ساتھ زندہ عورت کو جلانے یا دفن کر دینے کی رسم تو نہ تھی، لیکن اس انسانیت سوز رسم کے علاوہ کوئی ایسا وحشیانہ سلوک باقی نہ تھا۔ جو عرب کے مرد عورتوں کے ساتھ جائز نہ رکھتے ہوں۔

یورپ کی عورت

یورپ جو آج کل تہذیب و تمدن کا گہوارہ، اور عورت کا سب سے بڑا حامی بنا ہوا ہے۔ اور جو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں تمام دُنیا سے پیش پیش ہے۔ خود اس کی چند دن پہلے یہ حالت تھی کہ عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ نہ وہ کوئی معاہدہ کر سکتی تھی، نہ اُس کا جائداد میں حِصّہ تھا۔ نہ وہ اپنے نام سے بنک میں روپیہ جمع کرا سکتی تھی، نہ اُس کا کوئی مستقل نام تھا۔ بلکہ شادی سے پہلے باپ کی طرف، اور شادی کے بعد شوہر کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ عورت کو ایک نازک شیطان یا قدرت کا خوبصورت عیب خیال کیا جاتا تھا۔ شادی کے بعد مرد سے علیحدہ

ہونے کی کوئی شکل نہ تھی۔

مختصر خلاصہ

اس موقع پر اسلامی نقطۂ نگاہ کو پیش کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم چند الفاظ میں اس حیثیت کا خلاصہ بیان کردیں جو آج تک غیر مسلم اقوام نے عورت کو دی ہے، اور جو سلوک دنیا کی اس صنف نازک کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تاکہ اسلامی نقطۂ نگاہ کو سمجھنے میں آسانی ہو، اور بحث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو آسانی کے ساتھ یہ معلوم ہوسکے کہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع نے عموماً اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے خصوصاً جو حقوق عورت کو دیئے ہیں وہ اسقدر زائد ہیں کہ دنیا کی کسی تہذیب نے آجتک عورتوں کو نہیں دیئے۔

مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے ان سلوک کا خلاصہ جو عورتوں کے ساتھ کئے گئے ہیں، حسب ذیل ہیں۔

عورت ضد اور ہٹ دھرمی کا مجموعہ ہے۔
عورت کو بڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ آگے بڑھکر پیچھے ہٹنا نہیں جانتی۔
عورت کو کسی حیثیت سے مردوں کی برابر حقوق نہ دیئے جائیں۔ ورنہ عورت قابو سے باہر ہوجائے گی۔
عورت انتہائی تلون مزاج ہے۔
عورت ایک نازک شیطان ہے۔
عورت قدرت کا ایک خوبصورت عیب ہے۔
عورت بڑی گھناؤنی چیز ہے۔ جس سے مرد کو علیحدہ رہنا چاہیئے۔

عورت ماں باپ کی ملک ہے جس کو ہر قیمت پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔
عورت جب پیدا ہو تو اس کو بچپنے ہی میں ختم کر دیا جائے۔
عورت۔ شوہر کا مال مملوکہ ہے۔ جس کو ضرورت کے وقت فروخت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور رہن بھی رکھا جا سکتا ہے۔ دوسری عورت سے تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔
عورت شوہر کی موت کے بعد شوہر کے ورثا کا مال ہے۔ ورثاء کی اجازت کے بدون کچھ نہیں کر سکتی۔
عورت۔ شوہر کی موت کے بعد سسرال والوں کی ملک ہے۔ تمام عمر اس کو سسرال ہی میں رہنا چاہیئے۔ اور سسرال والوں ہی کی خدمت کرنا چاہیئے۔
عورت کا کوئی مال نہیں، بلکہ وہ خود پروپرٹی ہے۔ جو دوسروں کی ملک ہوتی ہے۔
عورت خاوند کے مال میں سے صرف گذر اوقات کے لیئے تاحین حیات کچھ مشاہیرہ لے سکتی ہے۔ لیکن خاوند کی جائداد کو رہن یا بیع نہیں کر سکتی۔
عورت ایک وقت میں بہت سے مردوں کی بیوی بن سکتی ہے۔
عورت کو اس کا شوہر اپنی زندگی میں دوسرے کے پاس بھیج کر اپنے لیئے اولاد حاصل کر سکتا ہے۔
عورت کو پہلے شوہر کی وفات کے بعد دوسرے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خاوند کی موت کے بعد بھی بدستور اس کی بیوی ہے۔

عورت کو زبردستی بلا رضامندی نکاح میں لایا جاسکتا ہے۔ اور اس کے قبضہ کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اس کے سر پر کوئی سرخ رنگ کا کپڑا ڈال دیا جائے۔
عورت کو اپنے "مرد خاوند" کے ساتھ زبردستی آگ میں جلا دیا جائے۔
عورت کو صبح اُٹھ کر خاوند کی پوجا کرنی چاہیئے۔
عورت کو اپنے خاوند کے پاؤں دھو کر پینے چاہئیں۔
عورت اپنے نام بینک میں روپیہ بھی جمع نہیں کرا سکتی۔
عورت کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی۔
عورت کو کسی رشتہ دار کے مال میں سے ورثہ نہیں مل سکتا۔ صرف خاوند کی جائداد پر اپنی زندگی میں قبضہ کر سکتی ہے، لیکن بیع و ہبہ کا حق نہیں رکھتی۔
عورت کو کسی بالغ یا نابالغ مرد سے پہلے کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ یعنی جب تک گھر کا ہر ایک لڑکا کھانا نہ کھالے اس وقت تک بھوکی ہی بیٹھی رہے۔
عورت کو مہر وصول کرنے کا حق نہیں بلکہ جو روپیہ نکاح کے وقت لڑکی کے باپ کو دیدیا جائے وہی اس کی قیمت ہے۔
ایک بھائی کے مرنے کے بعد دوسرا بھائی زبردستی اپنی بھاوج کو تصرف میں لا سکتا ہے۔ دو سگی بہنوں کو بیک وقت ایک مرد اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔
شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ عورت کو کسی قصور پر قتل کر دے۔
عورت اپنے نام کو استعمال نہیں کر سکتی، بلکہ دختر فلاں اور زوجہ فلاں کے نام سے روشناس ہو سکتی ہے۔
عورت اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتی۔

خاوند کے مرنے کے بعد سال بھر تک عدت میں رہے اور نمک کھانا ترک کردے۔

خاوند کے مرنے کے بعد عورت کا سر منڈوا دینا چاہیئے۔

نکاح کے بعد عورت پر ماں باپ کا کوئی حق نہیں رہتا۔ بلکہ وہ خاوند کی ملک ہو جاتی ہے۔

عورت ہر قسم کے طعن وتشنیع اور مار پیٹ اور ہر قسم کے الزامات کو برداشت کرنی کی مستحق ہے۔

غرض یہ تمام امور ہیں جو کم وبیش ہر تہذیب میں عورت کی خصوصیات رہے ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد ہر چند ان باتوں میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے۔ لیکن غیر مسلم اقوام میں اس وقت بھی عورت کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ انتہائی شرمناک۔ اور بے حد افسوسناک ہے۔

اسلامی عورت

اس تمام تفصیل کے بعد جو ہیں نے مختلف زبانوں اور مختلف تہذیبوں کی عورتوں کے سلسلہ میں ذکر کی ہے۔ یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلوک کو بھی ظاہر کیا جائے۔ اور ان حقوق کی بھی تفصیل کی جائے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی شرائع نے اپنے اپنے قوانین میں عورت کو درجہ دیا ہے۔

خاصکر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں۔ اور جن کی شریعت ہر اعتبار سے کامل ہے۔ انھوں نے عورت کو جو درجہ اور مرتبہ سوسائٹی میں دیا ہے اس پر بھی تبصرہ کیا جائے تاکہ اس بحث کے ناظرین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ سوسائٹی میں عورت کو بلند کرنے کا فریضہ حقیقتاً اسلام نے پورا کیا ہے یا وہ یورپ جو اسلام کو بدنام کرنے کی سعی

بیش مصروف ہے۔ اس نے عورت کی صحیح خدمت انجام دی ہے۔

ابتدائی بحث

میں نے مضمون کے آغاز ہی میں عرض کر دیا تھا کہ جب میں مسلم اور غیر مسلم کا لفظ استعمال کروں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلم سے انبیاء علیہم السلام کے صحیح متبعین مراد ہوں گے، اور غیر مسلم سے دُنیا کی تمام وہ قومیں مراد ہونگی۔ جو اسلام کو نہیں تسلیم کرتیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتیں۔ اس تقسیم کی وجہ بھی میں نے عرض کر دی تھی کہ اول تو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام اپنے اصولوں کے اعتبار سے ایک ہی لڑی میں منسلک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے پیغمبر نے اپنے سے سابق اور پیش رو پیغمبر کی تائید و تصدیق کی ہے، اور دوسرے انبیاء کا نام لیکر اور ان کی قوموں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر اپنی قوم کو سُنا کر ڈرایا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ دیکھو نافرمانی کی وجہ سے جو فلاں قوم کا حشر ہوا ہے وُہی تمہارا ہو گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر کے یہ الفاظ قرآن[1] میں موجود ہیں۔

ویقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم ھود او قوم صلح وما قوم لوط منکم ببعید ۰

اسی طرح جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی تقریروں

---

[1] یعنی اے میری قوم مجھے اس امر کا خطرہ ہے کہ کہیں میری نافرمانی کے باعث تمہارا بھی وہی حشر ہو جو حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں کا ہو چکا ہے اور حضرت لوط کی قوم کا جو انجام ہوا وہ تو کل کی بات ہے، اس کو تو کچھ عرصہ بھی نہیں ہوا ۱۲

اور خطبوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ میری ملت اور میرا دین کوئی نیا اور جدید نہیں ہے میں اپنے سے پہلے پیغمبروں اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو وہی ملت لایا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت تھی۔

ملۃ ابیکم ابراھیم[1]

قرآن شریف میں جگہ جگہ ارشاد ہے۔[2]

الم یاتھم نبأ الذین من قبلھم قوم نوح و عاد و ثمود وقوم ابراھیم واصحٰب مدین والمؤتفکت ۰

ایک موقع پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا۔

فان اعرضوا فقل انذرتکم صعقۃ مثل صعقۃ عاد و ثمود[3]

بہر حال ایک وجہ تو اس تقسیم کی یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں اپنے مضمون میں آزاد ہوں، اور دوسرے پیغمبروں کی تہذیب سے استدلال کرسکوں، اور یہ بتا سکوں کہ آسمانی شریعت میں ہمیشہ عورتوں کا احترام کیا گیا ہے اور ہر زمانہ میں عورتوں کی عزت کی گئی ہے اور عورتوں کو بلند سے بلند مراتب فائز کیا گیا ہے، عورت کے حقوق کا مسئلہ آج کا مسئلہ نہیں ہے، یہ ضرور ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے

---

[1] میری ملت تو وہی ہے جو تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے ۱۲

[2] کیا ان لوگوں کے پاس اپنوں سے پہلوں کے تاریخی واقعات نہیں پہونچے، کیا ان کو نہیں معلوم کہ نوح اور عادؑ و ثمودؑ اور ابراہیم کی قوموں کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ اور کیا انھوں نے نہیں سُنا کہ مدین والوں اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کے ساتھ کیا کیا گیا

[3] اگر کفار مکہ آپ سے روگردانی کریں، اور آپ پر ایمان نہ لائیں تو ان سے کہدیجیے کہ میں تم کو اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو مجھ سے پہلے عادؑ و ثمود پر نازل ہو چکا ہے ۱۲

جس طرح تمام معاملات میں مکمل اور جامع قوانین وضع کئے ہیں۔ اسی طرح عورت کو بھی بلند ترین درجہ عطا کیا ہے۔ اور عورتوں کیلئے مکمل قوانین مرتب کئے ہیں۔ سوسائٹی میں عورت کو اتنا اونچا مرتبہ دیا ہے کہ مرد کے قریب قریب مساوی کر دیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کی شرائع میں عورت کی کوئی قیمت یا کوئی وزن نہ تھا۔ بلکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ آسمانی تہذیب و تمدن کے ہر پیغمبر نے اپنے زمانہ میں عورتوں کے حقوق کا خیال رکھا ہے۔ البتہ اسلام نے ان حقوق کو کامل اور مکمل کر دیا ہے۔

عورت کے حقوق کو ہمیشہ غیر مسلم اقوام نے نقصان پہنچایا ہے، ورنہ ہر دور کے مسلمانوں نے اور ہر پیغمبر پر ایمان رکھنے والوں نے اس صنف نازک کی خدمت انجام دی ہے، اور فطرت کی اس عجیب و غریب صنعت کو بلند سے بلند مقام پر پہنچانے کی عزت بخشی ہے، آج کل بھی جو بعض مسلمانوں میں کہیں کوتاہی نظر آتی ہے یا عورت کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے وہ غیر مسلموں کی منحوس صحبت کا اثر ہے۔ ورنہ اسلام کا دامن ان عیوب سے پاک ہے۔

مثلاً بعض مسلمانوں میں یہ رسم ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرتے یا لڑکیوں کو ورثہ نہیں دیتے یا بیوہ کو دیور سے نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تو یہ تمام رسومات قبیحہ ہندو سوسائٹی سے مسلمانوں میں آگئی ہیں۔ ورنہ اسلام سے ان امور کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

حقوق کی تقسیم

اس سے پیشتر کہ ان حقوق کی توضیح و تشریح کی جائے جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان حقوق کو دو

حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک وہ جن کا تعلق نجات آخروی سے ہے۔ اور جن کو عام طور سے مسلمانوں کی اصطلاح میں عبادات کہتے ہیں۔ یعنی وہ اعمال ہیں جن کا تعلق صرف بندے اور خدا کے درمیان ہے خواہ وہ عبادات کی کوتاہی پر عذاب کرے یا اپنے بندے کو معاف کر دے۔ دوسری قسم حق کی وہ ہے جس کو عام اصطلاح معاملات کہتے ہیں۔ یعنی وہ اعمال و حقوق جو ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ متعلق ہیں۔ اور جس کو آج کل کی اصطلاح میں سوسائٹی کا حق کہتے ہیں۔ عبادات کی مثال میں نماز۔ روزہ، حج وغیرہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور معاملات کی مثال میں بیع و شرا۔ قرض اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اگرچہ یہ تقسیم اصطلاحی ہے۔ لیکن بہرحال آج کل رائج ہے۔ ورنہ فی الواقع جن کو معاملات کہتے ہیں وہ بھی عبادات میں شامل ہیں اور ان میں بھی خدا کا حق ہے۔ فرض کیجیئے ایک شخص جھوٹی گواہی دے کر اپنے بھائی کو نقصان پہنچاتا ہے، تو وہ بیشک اپنے بھائی کا مجرم ہے۔ اور قیامت میں اس جھوٹے گواہ سے اس کے حق کا مطالبہ ہوگا۔ لیکن یہ جھوٹا گواہ خدا کا بھی مجرم ہے۔ کیونکہ خدا نے جھوٹی گواہی کو حرام کیا تھا اور اس نے جھوٹی گواہی کو جائز کیا۔ ہاں اگر یوں تقسیم کی جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ ایک وہ حق جس میں کسی مخلوق کا حق شامل نہیں دوسری وہ عبادات جن میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا بھی حق شامل ہے۔ اس طرح یہ تقسیم ان شبہات سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ جو اس پر کئے جا سکتے ہیں۔ بہرحال اگر اس تقسیم کو ذہن نشین کر لیا جائے تو مضمون کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی، اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ جن مسائل میں عورت کو مرد کے مساوی کیا ہے وہ کون سے ہیں اور جن مسائل میں مرد عورت

کے درمیان فرق کیا ہے، وہ کون سے ہیں۔

تعلیم کی ضرورت

ہر چند کہ اس تقسیم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یورپ کے ملحدین کو نہ نجات آخروی سے بحث ہے، اور نہ یورپ کے بددین عالم آخرت کے قائل ہیں۔ اور نہ یورپ کو اس پر اعتراض ہے کہ عورت کی قیامت میں نجات ہوگی یا نہیں بلکہ بحث تو اس وقت سوسائٹی کے حقوق کی ہے غیر مسلموں کا دعویٰ ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت کا کوئی حق نہیں ہے، وہ خاوند کی ہر اعتبار سے مملوکہ اور مقبوضہ ہے۔ اسلام کی نظر میں عورت کی کوئی روح نہیں ہے۔ چونکہ غیر مسلموں کا اعتراض صرف اُن کے حقوق پر ہے۔ جن کا تعلق سوسائٹی کی باہمی معاشرت سے ہے۔ اس لیئے مجھ کو بھی اپنی بحث کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن میں نے باوجود اس کے پھر بھی اس تقسیم کو مناسب سمجھا کہ مضمون کا کوئی گوشہ باقی نہ رہ جائے۔ اور دونوں چیزیں اس بحث سے دلچسپی رکھنے والوں کے رُوبرو آجائیں۔ اور ایک سمجھدار آدمی باآسانی اس نتیجہ پر پہونچ جائے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے مساوی مرتبہ عطا کیا ہے۔ صرف چند مسائل ایسے ضرور ہیں۔ جہاں عورت کی نزاکت اور لطافت طبع کا لحاظ رکھتے ہوئے مرد و عورت میں فرق کیا ہے، اور فرق ایک فطری فرق ہے۔ جس سے کوئی اہل عقل انکار نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی قوم اس قدرتی فرق کو بھی مٹانے کی کوشش کرتی ہے تو وہ یقیناً صنعتِ الٰہی کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور ایک ایسے غلط اور لغو فعل کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکتی۔ بہرحال

اس گذارش کے بعد یہ مطلب اور حقوق کی اس تقسیم کا مقصد سمجھ میں آگیا ہوگا۔ معترضین کے لیے ممکن ہے کہ اس تقسیم میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔ لیکن مضمون کی تکمیل کے لئے اور بحث کو سیلاب کرنے کی غرض سے اس امر کی ضرورت ہے کہ کوئی گوشہ نظر انداز نہ کیا جائے۔

حقوق کی پہلی قسم

جہانتک ایک عورت کی نجات، اس کی بخشش اور عالم آخرت میں اس کی مغفرت اعمال صالحہ پر اس کے اجر کا تعلق ہے۔ اس معاملہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح ایک مرد نیک اعمال کے ذریعہ ترقی کے مدارج طے کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت اپنے علم و عمل کے باعث مراتب علیا کی وارث بن سکتی ہے، بلکہ مرد سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اگرچہ یورپ اور ایشیار کے بعض معترضین کو اس حق سے دلچسپی نہ ہو لیکن یہ بہت بڑا حق ہے۔ جو آسمانی شرائع نے عورت کا تسلیم کیا ہے۔ مادر عورت کے ساتھ انہی مراعات کا وعدہ کیا ہے۔ جن مراعات کا مردوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ بلکہ اگر عورت کے اعمال حسنہ مرد سے زائد ہوں تو وہ اجر و ثواب کی بھی مرد سے زائد مستحق ہوگی۔ ایک نیک عورت اپنے مرتبے اور اجر عظیم کے اعتبار سے فاسق مرد سے بدرجہا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو ذیل کی آیات و احادیث۔

انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض

حضرت حق جل مجدہ اعلان فرماتے ہیں کہ میں کسی عمل کرنے والے کے تم میں سے عمل ضائع نہیں کرونگا، وہ مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے کے جز ہو۔

ومن[1] یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا۔

اولئک[2] سیرحمھم اللہ۔

اسی آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

وعد[3] اللہ المومنین والمومنت جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا۔

سورہ نحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

من[4] عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبہ۔

سورہ رعد میں ہے:۔

جنت[5] عدن یدخلونھا ومن صلح من ابائھم وازواجھم وذریتھم۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ومن[6] یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین

---

[1] جو شخص نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اعمال کے ساتھ مومن بھی ہو تو ہم ان لوگوں کو جنت میں داخل کرینگے، اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ ان مرد اور عورتوں پر اپنی رحمت نازل کرے گا ۱۲ [3] اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورتوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُن کو جنت میں داخل کریگا، اور یہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ جنت ایسی ہوگی جسکے نیچے نہریں جاری ہونگی ۱۲ [4] جو ایمان دار اور مومن نیک عمل کرے گا. اُس کو ہم پاکیزہ زندگی عطا کریں گے، خواہ مرد ہو یا عورت ۱۲ [5] یعنی ایسے باغ جن میں یہ لوگ داخل ہونگے، اور انکے باپ دادا اور انکی بیویاں اور انکی اولاد میں سے ہر وہ شخص جو نیک ہوگا وہ بھی داخل ہوگا ۱۲ [6] تم میں سے اللہ اور اُسکے رسول کی جو عورت اطاعت کریگی اور نیک اعمال کی پابند رہیگی ہم اسکو اجر بھی دگنا دینگے ۱۲

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر جو آیت نازل ہوئی تھی۔ اس میں مرد و عورت کی مساوات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ[۱] المسلمین والمسلمت والمؤمنین والمؤمنت والقنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصئمت والحفظین فروجھم والحفظت والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما

ملائکہ کی دعا میں بھی عورتیں مردوں کے برابر کی شریک ہیں۔

ربنا[۲] وادخلھم جنت عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذریتھم۔

جنت میں داخل ہونے اور جنت سے متمتع ہونے میں بھی مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے۔

---

[۱] مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راستباز مرد اور راستباز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد، اور صبر کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اپنے نفس پر قابو یافتہ مرد، اور اپنے نفس پر قابو یافتہ عورتیں۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد۔ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنیوالی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام مرد اور عورتوں کے لئے بڑی بخشش اور اجر کا سامان تیار کر رکھا ہے ۱۲

[۲] اے رب ہمارے ان مسلمانوں کو اس جنت میں داخل کر دے۔ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے باپوں اور انکی بیویوں اور انکی اولاد میں سے جو بھی نیکوکار ہوں انکو داخل کر دے ۱۲

من[1] عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فاولٰئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب ٥

جس طرح مرد جنت میں داخل ہوں گے، اُسی طرح اُنکی بیویاں بھی اُن کے ساتھ جنت میں داخل ہونگی۔

ادخلوا[2] الجنۃ انتم وازواجکم تحبرون ٥

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار اور دُعائے مغفرت میں بھی عورتیں مردوں کے ساتھ مساویانہ طور پر شریک ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات۔

آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزش کے لئے بھی استغفار کیجئے، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی اللہ تعالےٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔

تکفیر سیأت اور دخول جنت کے سلسلہ میں بھی، مردوں کے ساتھ عورتوں کو شریک کیا ہے۔

لیدخل المومنین والمومنٰت جنٰت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ویکفر عنھم سیاتھم۔

تاکہ مومن مرد اور عورتوں کو اُن باغوں میں داخل کرے۔ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اُن کے گناہوں کو معاف کر دے۔

قیامت کی ہولناک تاریکیوں میں جو نور مومنین کو عطا ہوگا۔ اس میں عورتیں بھی مردوں کے برابر کی شریک ہیں۔

---

[1] ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت جو نیک عمل کرنیوالے ہیں۔ اُنکو جنت میں داخل کیا جائیگا۔ جہاں اُن کو بے حساب نعمتیں عطا کی جائینگی ۱۲ [2] قیامت میں مسلمانوں سے کہا جائے گا۔ تم اور تمہاری بیویاں عزت و احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ ۱۲

یوم تری المومنین والمومنت یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم۔ اے مخاطب تو اس دن دیکھیگا کہ مومن مرد، اور مومن عورتوں کے ایمان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب ہوگا تاکہ وہ اس نور کی روشنی میں اپنا سفر طے کریں۔ اور ان کو کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرنے اور خدا تعالیٰ کو قرضۂ حسنہ دینے کا جو اجر و ثواب ہے، اس میں بھی عورتیں مردوں کے دوش بدوش ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللہ قرضاً حسناً یضعف لھم ولھم اجر کریم۔[۱]

جہاں تقویٰ اور پرہیزگاری کی شرافت کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کو شریک فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم[۲]

اولاد کی پیدائش کے سلسلہ میں مرد اور عورت کا اشتراک تو ظاہر ہی ہے۔ قرآن نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے۔

یخرج من بین الصلب والترائب ہ یعنی تولید کا مادہ باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینہ کا مرہون منت ہے۔ مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح

---

[۱] خیرات کرنیوالے مرد، اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور اللہ تعالیٰ کو خلوص نیت سے قرض دینے والوں کو دگنا دیا جائیگا۔ اور وہ بڑے اجر کے مالک ہونگے ۱۲

[۲] اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو باہمی تعارف کی غرض سے مختلف قوموں اور مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور تم سب میں سے خدا کی نظر میں ذی عزت وہ شخص ہے جو صاحب تقوی ہے ۱۲

اپنے بچوں کو جہنم سے بچانے کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح اپنی جانوں اور اپنی بیویوں کو بھی بچانے کے ذمہ دار ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۝[1]

اہل کا لفظ بیوی اور بچوں دونوں کو شامل ہے۔ نوح علیہ السلام کی دعا میں بھی عورتوں اور مردوں کو ساتھ ذکر کیا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ[2]

ان تمام آیات قرآنی کے مطالعہ کے بعد یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایمان و عمل صالح کی وجہ سے عورت ہر بلند سے بلند مرتبہ کو حاصل کر سکتی ہے۔ مراتب علیا کے فائز ہونے، اور عالم آخرت کے درجات حاصل کرنے میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ حضرت عیسٰیؑ کی والدہ ولیہ تھیں، اور صدیقیت کے مرتبہ کو طے کر چکی تھیں۔ جو ولایت کا انتہائی مرتبہ ہے۔ قرآن نے حضرت مریم کی برگزیدگی کا ان الفاظ میں اعلان کیا ہے۔

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝[3]

---

[1] اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ۱۲ [2] اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کی مغفرت کر دے۔ اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہو جائے اسے بخشدے اور ہر ایک مومن مرد و عورت کی مغفرت کر دے ۱۲ [3] اے مریمؑ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا ہے۔ اور تجھکو ہر قسم کے الزامات سے پاک کیا ہے۔ تجھکو اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے مرتبے میں بالا تر کیا ہے ۱۲

حضرت مریم کی کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن کے پاس ہر قسم کے پھل آیا کرتے تھے، اور چونکہ یہ پھل بے موسم کے ہوتے تھے۔ اس لئے حضرت زکریا تعجب سے دریافت کیا کرتے تھے کہ اے مریم یہ رزق کہاں سے آیا تو حضرت مریم فرمایا کرتی تھیں۔

ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب[1] ۰

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بھی اپنی نشانیوں میں سے ایک آیت میں فرمایا ہے

وجعلنا ابن مریم وامہ آیتہ[2] ۰

حضرت حق کی جانب سے ایک عورت الہام والقاء کی بھی مستحق ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے تذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ[3]

اور جب فرعونی پولیس کا خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے۔

جس طرح ایک مرد اگر اللہ کے لئے نذر مانے تو اُس کو اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے۔ اسی طرح عورت بھی خدا کے واسطے نذر اور منت مان سکتی ہے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے نذر مانی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی نذر قبول فرمائی۔ تلک الرسل میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔

رب انی نذرت لک مافی بطنی محررا[4]۔

حضرت مریم کی والدہ نے جو نذر کی تھی وہ قبول ہو گئی۔ اور ان الفاظ میں

---

[1] اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ۱۲ [2] ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے اپنی ایک نشانی بنایا ۱۲ [3] اور ہم نے موسیٰ کی ماں پر الہام کیا، اور اس کے دل میں القا کیا کہ تو اس بچہ کو دودھ پلا ۱۲ [4] اے میرے پروردگار جو میرے پیٹ میں ہے اُس کو تیری نذر کرتی ہوں، تمام دُنیا کے کاموں سے آزاد کر کے تیرے گھر کی خدمت کے لئے اس کو مقرر کر دونگی ۱۲

کیا گیا ہے۔

فتقبلہا[۱] ربہا بقبول حسن۔

ایک عورت ملائکہ کی بشارت و خوشخبری کی بھی مستحق ہوسکتی ہے۔ حضرت مریم کے تذکرے میں فرماتے ہیں۔

واذ[۲] قالت الملٰئکۃ یامریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ

جس طرح لڑکا اللہ تعالیٰ کا ہبہ اور اُس کی عطا ہے۔ اسی طرح لڑکی بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ دونوں کو حضرت حق نے لفظ ہبہ میں شریک کیا ہے۔

یھب[۳] لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور ہ

مُباہلہ کے موقع پر بھی عورتوں کو لڑکوں کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔

ندع[۴] ابناءنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم ہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو جس وقت مُباہلہ کی دعوت دی تھی۔ اُس وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔

توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں بھی مرد و عورت کو ایک قسم کی حیثیت دی ہے

ویتوب[۵] اللہ علی المؤمنین والمؤمنات۔

اوامر و نواہی میں مساوات

حقوق کی پہلی قسم میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ

---

[۱] پروردگار نے اُس لڑکی کو پسندیدگی کے ساتھ قبول کر لیا ۱۲ [۲] فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا اللہ تعالیٰ تجھکو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام مسیح ہوگا ۱۲ [۳] جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، جسکو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے ۱۲ [۴] ہم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم بھی اپنے بیٹوں ۱۲ اور اپنی عورتوں کو بلالو ۱۲ [۵] یعنی اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد و عورت کی توبہ قبول فرماتے ہیں ۱۲

جس طرح مردوں کو درجات عالیہ پر فائز کرتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی بلند ترین مراتب کو حاصل کر سکتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے اوامر ونواہی کو بجالانے اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنے میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح نماز و روزہ مرد پر فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے، حج و زکوٰۃ جس طرح مالدار مرد پر فرض ہیں۔ مالدار عورتوں پر بھی فرض ہیں۔ مردوں کے لئے اگر چوری، جھوٹ، خیانت، زنا، اور شراب وغیرہ حرام ہیں تو عورتوں کے لئے بھی حرام ہیں۔ ان افعال قبیحہ کی بنا پر اگر مرد سزا کا مستحق ہے تو عورت بھی سزا کی مستحق ہے۔ جس طرح مرد اعتکاف کرتا ہے۔ عورت بھی کر سکتی ہے۔ بوڑھے یعنی شیخ فانی کو حکم ہے کہ بجائے روزے کے ایک مسکین کا کھانا دیدے ایسا ہی بوڑھی عورت کو بھی حکم ہے۔ بیمار آدمی روزہ نہ رکھے۔ تندرسی میں قضا کرے اسی طرح عورت بھی اگر بیمار ہو یا حاملہ ہو، یا بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور بچہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو روزے کو دوسرے وقت کے لئے قضا کر سکتی ہے۔ کسی نیکی پر اجر اور گناہ پر جزا یہ دونوں ایسی باتیں ہیں کہ مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

بعض ضروری روایات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں زمین ہر شخص کے متعلق شہادت دے گی خواہ وہ عبد ہو یا امۃ یعنی مرد ہو یا عورت دونوں میں کوئی فرق نہ ہو گا۔

حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ میں بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔ حضور نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا یہ حطیم بھی بیت اللہ کا ایک حصہ ہے۔

حضرت ابو موسی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کو قربانی کے موقع پر فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ سے قربانی کرو۔ اور قربانی کرتے وقت جانور کو دبائے رکھنے کے لئے اپنے پاؤں کو جانور پر رکھ لو۔

مسلم، ابو داؤد کی روایت میں ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ انہوں نے اپنے زنا کا اقرار کیا، اور اُن کو سنگسار کیا گیا۔ اسی طرح غامدیہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے زنا کا اقرار کیا، اور وہ بھی رجم کی گئی، غامدیہ کے رجم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

لقد تابت توبة لوتاب بها صاحب مكس لغفر له[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت کے سلسلہ میں دو مرد اور ایک عورت کو یکساں سزا دی گئی۔

چوری کے سلسلہ میں عورت مخزومیہ کا ہاتھ کاٹا گیا، اور سفارش کرنیوالوں کی سفارش کو رد کر دیا گیا۔ یہ عورت چوری بھی کرتی تھی اور عاریت کی چیز کا بھی انکار کر دیتی تھی۔ یعنی مانگنے کو کسی کی چیز لے لیا کرتی تھی اور پھر مکر جایا کرتی تھی اور صاف انکار کر دیا کرتی تھی کہ میں تو نہیں لائی۔ اس عورت پر حد جاری کرتے وقت سرکار نے فرمایا تھا

وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها[2]

ابن عمر کی روایت میں ہے۔ قیامت میں ہر راعی اپنی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ایک بادشاہ سے اُس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ ایک عورت اپنے خاوند کے گھر میں راعیہ اور نگہبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس عورت سے اسکے

---

[1] اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر صاحب مکس بھی ایسی توبہ کرتا تو اسکی بھی مغفرت ہو جاتی ۱۲ [2] خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹتا ۱۲

گھر کے متعلق سوال ہو گا۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے۔ ایک عورت نے خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور میرے خاوند کے لئے دعا کیجیے۔ حضور نے فرمایا۔ صلی اللہ علیک وعلیٰ زوجک۔ خدا تیرا اور تیرے خاوند پر رحمت نازل فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت کر دی۔

اور ایک عورت نے بلّی باندھ رکھی تھی، نہ اُس کو چھوڑتی تھی اور نہ کھانے کو دیتی تھی، یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ بلّی پر ظلم کرنے کی وجہ سے یہ عورت دوزخ میں داخل کی گئی۔

ابن عمر کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے غلام و آزاد اور عورت و مرد پر واجب کیا ہے۔

بنی ہاشم کے ہر مرد و عورت بلکہ بچوں پر بھی صدقہ حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسنؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپنے میں صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں رکھ لی تھی، حضرت نے فوراً فرمایا:—

[1] کخ کخ ارم بھا اما علمت انا لا ناکل الصدقۃ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب میں امامت کرتے ہوئے نماز پڑھاتا ہوں تو بعض دفعہ نماز کو طویل کرنا چاہتا ہوں، لیکن کسی بچّہ کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ کیونکہ بچّے کے رونے سے ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں۔

حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے کہ نماز کے بعد جب تک عورتیں مسجد سے نہ نکل جاتی تھیں مرد اپنی جگہ کھڑے رہتے تھے۔

حضرت ابی حازم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1] تھو تھو کھجور نکالو۔ اے حسنؓ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ۱۲

ممبر ایک انصاری عورت نے اپنے غلام سے تیار کرا کے خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مرد و عورت کے لئے دُعا فرمائی ہے، جو مرد صبح اُٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو نماز کے لئے جگاتا ہے۔ اور اگر وہ نہیں اُٹھتی تو اُس کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیتا ہے۔ اور جو عورت صبح کو اُٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو اُٹھاتی ہے اور اگر وہ نہیں اُٹھتا تو اُسکے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دے کر جگاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرد و عورت کے جنازہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک عورت جو مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی، رات میں مر گئی تو صحابہ نے آپکی اطلاع کے بغیر اُس کو دفن کر دیا۔ جب صبح حضور کو خبر ہوئی تو آپ نے اُسکی قبر پر جا کر نماز پڑھائی اور نماز پڑھا کر فرمایا۔

ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علےٰ اھلھا وان اللہ تعالیٰ ینورھا[1] لھم بصلاتی علیھم

عطاء بن ابی رباح کی روایت میں ہے کہ مجھسے عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ اے عطاء جنتی عورت کو دیکھنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ عورت جو کالے رنگ کی ہے یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اُس نے کہا مجھے مرگی کے دورے پڑا کرتے ہیں اور میں دورے کی حالت میں ننگی ہو جایا کرتی ہوں۔ میرے لئے دُعا کر دیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس مرض پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ تجھکو جنت عطا فرمائے گا۔ اور

[1] یعنی یہ قبریں تاریک ہیں، ان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے اُن کو نورانی کر دیتا ہے۔ جب کوئی مر جایا کرے تو مجھکو اطلاع دیدیا کرو ۱۲

اگر تو کہے تو میں تیرے لئے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تجھکو اس مرض سے نجات دیدے۔
عورت نے کہا اچھا میں صبر کرونگی اور مرض کی تکلیف کو برداشت کرونگی۔ لیکن اتنی دعا کر دیجئے کہ میں دورہ کی حالت میں ننگی نہ ہو جایا کروں۔ حضور نے دعا فرمادی۔
حضرت سعد بن عبادہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بہترین صدقہ مجھے بتا دیجئے تاکہ میں ان کو اس کا ثواب پہنچادوں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین صدقہ پانی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایک کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے نام پر وقف کر دیا۔
حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ کیا میرے صدقے اور میرے خیرات سے اسکو کچھ نفع پہونچ سکتا ہے۔ سرکار نے فرمایا ہاں پہونچ سکتا ہے سائل نے کہا میرے پاس ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کے لئے صدقہ کر دیا۔
آیت تیمم یعنی بجائے وضو کے بعض امراض اور موانع کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم جو قرآن میں نازل ہوا ہے اس کا شرف بھی ایک عورت کو ہے۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں قافلہ کی روانگی کو تاخیر ہوئی۔ قافلہ میں پانی نہ تھا۔ نماز کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرمادیا۔ اور اس رعایت کا شرف ایک عورت کو نصیب ہوا۔
حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ جس طرح مرد پر احتلام کے باعث غسل واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت پر بھی۔ اگر اس کو احتلام ہو تو غسل واجب ہوتا ہے۔

غسل جنابت میں بھی مرد و عورت یکساں ہیں۔ لیکن عورت کے ساتھ یہ رعایت ہے کہ اسکو اپنی چوٹی اور مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔ بشرطیکہ سر کے بالوں کی جڑ تر ہو جائے۔ چونکہ عام طور سے عورتیں چوٹیاں اور مینڈھیاں گوندھتی ہیں۔ چوٹی میں موباف بھی ڈالتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کے ساتھ یہ رعایت کی گئی ہے۔ کہ وہ بالوں کی جڑ اگر تر کر لیں تو ان کو چوٹی کھولنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت ام کرز کی روایت میں ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہیئے۔ ہاں لڑکے کیلئے دو جانور اور لڑکی کے لئے ایک جانور ذبح کرنا چاہیئے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی اور غلاموں کو عبدی اور امتی کہکر آواز دینے سے منع فرمایا ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ و کل نسائکم اماء اللہ[لہ]

حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت صفیہ کے قد و قامت سے متعلق انکی پیٹھ پیچھے کچھ کہدیا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اپنی زبان سے ایسا کلمہ نکالا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو سمندر باوجود اپنی وسعت کے خراب ہو جائے۔ یعنی حضرت عائشہ کو غیبت کرنے پر تنبیہ کی۔ غیبت کرنا جس طرح مردوں پر حرام ہے۔ اسی طرح عورتوں پر بھی حرام ہے۔ غیبت فحش اور توہین آمیز مذاق، عیب چینی، بہتان طرازی، برے القاب۔ اور توہین آمیز خطاب کی حرمت میں مرد اور عورت دونوں

[لہ] یعنی تم میں سے کوئی شخص اپنی لونڈی اور غلام کو عبدی او امتی کہکر آواز نہ دیا کرے تم سب کے سب اللہ کے غلام اور عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں ۱۲

یکساں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ایک کچوکا لگاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ روتا ہے۔ شیطان کی اس حرکت سے جس کو نخس کہتے ہیں سوائے حضرت مریم اور ان کے صاحبزادے کے کوئی محفوظ نہیں رہا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

مامن بنی ادم من مولود الا ینخسہ الشیطان حین یولد فیستہل صارخا من نخسہ ایاہ الا مریم وابنہا[1]

حدیث سے معلوم ہوا کہ نخس شیطان میں بھی مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں سے جو دو شخص نخس شیطانی سے مستثنا کئے گئے۔ ان میں بھی ایک مرد اور ایک عورت ہے۔ یعنی استثنا کی صورت میں بھی مرد و عورت مساوی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو جنت میں دیکھا، اور میں نے جنت میں ابو طلحہ کی بیوی رمیصا کو دیکھا۔ ابوطلحہ کی یہ بیوی وہی ہیں جن کے صبر کا قصہ مشہور ہے جنہوں نے اپنے بچہ کے مرنے پر انتہائی صبر و استقامت کا ثبوت دیا تھا حضور نے جنت میں انکو اپنے پاس دیکھا ایک صابرہ عورت کے لئے جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ایسا بلند مرتبہ ہے۔ جس سے اکثر مرد بھی محروم ہیں۔

---

[1] یعنی بنی آدم کا کوئی بچہ سوائے حضرت مریمؑ اور ان کے صاحبزادے کے ایسا نہیں ہے۔ جس کو پیدا ہوتے وقت شیطان اپنے اثر سے متاثر نہ کرتا ہو۔ شیطان جب اس پیدا شدہ بچہ کو اپنی اس حرکت سے متاثر کرتا ہے تو وہ روتا ہے۔ ۱۲

حضرت عمرو بن العاص کی روایت میں ہے۔ میں نے حضور سے دریافت کیا آپ کو عورتوں میں سے کون زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا عائشہ پھر میں نے عرض کیا۔ مردوں میں سے کون زیادہ محبوب ہے فرمایا اس کا باپ یعنی ابو بکر۔

حضرت اسامہ کی روایت ہے کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ دو شخصوں نے خدمت اقدس میں حاضری کی درخواست کی۔ یہ دونوں حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ حضور نے فرمایا اسامہ۔ تو جانتا ہے، یہ دونوں کیوں آئے ہیں۔ میں نے کہا حضور مجھے تو معلوم نہیں کہ یہ دونوں کیوں آئے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جس غرض کے لئے آئے ہیں وہ غرض مجھے معلوم ہے ان کو اندر آنے کی اجازت دیدو۔ جب یہ دونوں آئے تو انھوں نے حضرت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم یہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو اپنی اہل میں سے سب سے زیادہ کون محبوب ہے فرمایا فاطمہ بنت محمدؐ۔ پھر ان دونوں نے عرض کیا ہمارا سوال عورتوں کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو مردوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سرکار نے فرمایا مردوں میں سے اسامہ بن زید زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی شفقت میں بھی عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میری بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ بدر کے موقع پر بیمار تھیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں بھی جہاد میں آپ کے ہمراہ چلوں؟ حضور نے فرمایا، تمہاری بیوی بیمار ہے۔ تم اس کے پاس رہو اور اپنی بیوی کی تیمارداری کرو۔ تم کو ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا۔ جو بدر کی جنگ میں شریک ہوں گے، گویا بیوی کی تیمارداری کو جہاد کی شرکت کے مقابلہ میں ترجیح دی گئی، اس سے زیادہ

عورت کا مرتبہ اور کیا بلند ہو سکتا ہے

عورتوں کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ یاب ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ میں نے حضور کو خواب میں دیکھا کہ آپ بہت پریشان ہیں۔ میں نے پریشانی کا حال دریافت کیا تو فرمایا حسین کو قتل ہوتے دیکھ کر ابھی آ رہا ہوں۔ مبارک آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے۔ اور آپ کی ریش مبارک پر خاک بھی پڑی ہوئی تھی۔

حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت میں ہے۔

غفر اللّٰہ لک ولامک[1]

اس دعائے مغفرت میں مرد کو عورت کے ساتھ شریک کیا ہے۔ اسی روایت کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے۔

ان فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ خدیجۃ الکبریٰ جو آپ کی بیوی ہیں۔ جب آپ کے پاس آئیں تو ان کو پروردگار عالم کا سلام پہنچا دیجئے اور ان کو بشارت دیدیجئے کہ جنت میں ان کو ایسا مکان دیا جائے گا۔ جو موتی کا بنا ہوا ہو گا۔ اس مکان میں نہ کسی قسم کا شور و شغب ہو گا۔ اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہو گی۔ عورتوں میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے بعد بھی ان کو یاد کیا کرتے تھے، اور جب گھر میں کوئی بکری ذبح ہوتی تو آپ حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے ہاں گوشت بھیجا کرتے تھے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ تیری اور تیری ماں کی مغفرت کرے ۱۲ [2] فاطمہ جنت میں عورتوں کی سردار ہونگی ۱۲

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی روایت میں ہے کہ آسمان و زمین کی عورتوں میں بہتر اور بڑے مرتبہ والی عورتیں حضرت مریمؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

بعض روایتوں میں اتنے الفاظ زائد ہیں کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل اور اپنے مراتب کے باعث فائق ہیں، لیکن عورتوں میں سے حضرت مریمؑ عمران کی بیٹی اور آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہؓ خویلد کی بیٹی، اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل و اکمل ہیں، اور عائشہ کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ثرید ایک قسم کا کھانا ہے، جو عرب کو نہایت مرغوب ہے۔

جمیع بن عمیر کی روایت میں ہے کہ میں اپنی پھوپی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے دریافت کیا "اُم المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عورتوں میں کونسی عورت زیادہ محبوب تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا" فاطمہ خاتون" میں نے کہا مردوں میں سے کون سا مرد آپ کو محبوب تھا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا" فاطمہ رضؓ کے شوہر یعنی حضرت علی رضؓ۔

حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ رضؓ یہ جبریلؑ تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے حضرت جبریلؑ کے سلام کا جواب دیا۔ یعنی حضرت جبریلؑ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دیکھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کو وہ نہیں نظر آتے تھے، تو جبریلؑ کا سلام خود سرکارؐ حضرت عائشہ رضؓ کو پہونچاتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا علم اور اُن کی فراست اور اُن کا فہم اور اُن کا تفقہ اتنا بڑا ہوا تھا کہ جب مسائل میں صحابۂ کرامؓ کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو حضرت عائشہ رضؓ اس مشکل کو حل کر دیا کرتی تھیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضؓ کے الفاظ یہ ہیں :-

ما اشکل علینا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قطّ فسئالنا عنہ الّا وجدنا عندھا منہ علماًہ[1]

حضرت عمار بن یاسر نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق فرمایا کہ مسلمانو ! حضرت عائشہ رضؓ تمہارے پیغمبر کی دُنیا میں بھی بیوی تھیں اور جنت میں بھی بیوی ہونگی۔

حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اُمّ ایمن کی ملاقات، اور حضرت اُمّ ایمن کی زیارت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جایا کرتے تھے، اور حضور کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی اُمّ ایمن کی زیارت کے لیئے تشریف لے جایا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب پہلی مرتبہ حضرت اُمّ ایمن کی ملاقات کو تشریف لے گئے تو اُم ایمن بہت روئیں ان دونوں نے حضرت اُمّ ایمن کو سمجھایا، اور ام ایمن سے فرمایا کہ تم نہیں جانتیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ عالم اس دُنیا سے بہتر ہے۔ حضرت اُمّ ایمن نے کہا بیشک میں جانتی ہوں کہ حضور کے لئے وہ عالم اس عالم سے بہتر ہے۔ لیکن حضور کی وفات سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت اُمّ ایمن نے وحی کا تذکرہ کچھ اس دردناک انداز میں بیان کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی رونے لگے۔ اور دیر تک روتے رہے۔ ایک عورت کی اس سے زیادہ اور کیا شرافت ہو سکتی ہے کہ

[1] یعنی جب کبھی کسی حدیث کی تلاش میں یا اُس کے سمجھنے میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دشواری پیش آئی تو اس کا علم حضرت عائشہ رضؓ کے پاس موجود پایا ۱۲

خدا کا آخری نبی اُس کے گھر پہ اُس کی ملاقات کے لئے تشریف لے جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ سائب کے مکان پر تشریف لے گئے تو اُن کو اُس وقت سردی سے بخار چڑھ رہا تھا۔ سرکار نے فرمایا اے ام سائب یہ کپکپی کیسی ہے۔ اُن کے مُنہ سے نکلا۔

الحُمّٰی لا بارك الله فيها۔ [1]

حضور نے فرمایا اُمّ سائب بخار کو گالی نہ دیا کرو، بخار گناہوں سے بنی آدم کو اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے زنگ کو اور لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بخار سے خطاؤں کی معافی، اور گناہوں کی پاکی میں بھی مرد و عورت مساوی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

[2] ما يزال البلاء بالمؤمن والمؤمنة في نفسه وولده وماله حتى يلقى الله وما عليه خطيئة

بلا اور مصائب کے کفارہ سیئات ہونے میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔

حضرت ابی سعیدؓ کی روایت میں ہے کہ ایک دن عورتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ مرد تو ہر وقت

---

[1] حضور بخار بہت بُری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ بخار کا ستیاناس کرے ۱۲ [2] یعنی مومن مرد اور مومنہ عورت کو ہر قسم کی بلائیں اور طرح طرح کے مصائب پہونچتے رہتے ہیں۔ اور اُس کی اولاد اور اُس کے مال کو نقصان پہونچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے پاک صاف اور تمام گناہوں سے بری ہو کر ملاقات کرتا ہے ۱۲ ۱۲

آپ سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں، اور آپ کے پند و نصائح سے فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں۔ لیکن عورتوں کی جماعت محروم رہتی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی اس درخواست کو منظور فرمالیا، اور ایک دن خاص طور پر عورتوں کو وعظ و نصیحت سے مستفیض فرمایا۔ جو وعظ عورتوں کے لئے مخصوص تھا۔ اُس کے دَوران میں فرمایا جس عورت کے تین چھوٹے چھوٹے بچّے مرجائیں اور وہ اُن پر صبر کرے تو یہ تینوں بچّے اُس عورت کے لئے دوزخ کی آگ سے آڑ اور حجاب بن جائیں گے۔"

کسی عورت نے عرض کی یا رسول اللہ اگر کسی عورت کے تین بچّے نہ مرے ہوں بلکہ دو ہی مرے ہوں، سرکارؐ نے فرمایا۔ دو بچّوں پر صبر کرنے والی کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ جس عورت کے دو چھوٹے بچے آگے چلے گئے وہ عورت جنت میں داخل ہوگی، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی کا ایک ہی بچّہ آگے گیا ہو۔ فرمایا ایک بچہ والی بھی جنت میں داخل ہوگی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے کہا کسی کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو یعنی بالکل کسی عورت کے بچّہ ہی نہ ہوا ہو یا بچہ ہوا لیکن مَرا نہ ہو، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کسی عورت کا ایک بچّہ بھی آگے جانے والوں میں نہ ہو تو پھر میں تو آگے جانے والوں میں ہوں۔" حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

فمن لم یکن لہ فرط من امتک قال انا فرط امتی لن[ا] یصابوا بمثلی۔

[ا] یعنی حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ اگر کسی کا آپؐ کی اُمت میں فرط نہ ہو تو فرمایا، اپنی امت کا میں فرط ہوں اور ایسا فرط ہوں کہ مجھ جیسا فرط تو میسّر بھی نہیں آسکتا ۱۲

حدیث میں جو لفظ فرط آیا ہے اُس سے مُراد وہ شخص ہے جو قافلے یا لشکر سے آگے جاتا ہے۔ اور پہلے سے منزل پر پہونچکر قافلہ کی آسائش اور لشکر کے آرام کا انتظام کرتا ہے، تاکہ جب قافلہ پہونچے تو قافلہ والوں کو تکلیف نہ ہو۔

اس حدیث میں اُن بچّوں کو جو بچپنے اور چھٹپنے میں مَر جاتے ہیں۔ فرط فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی پہلے سے پہنچکر اپنی ماں کے لئے مغفرت کا سامان کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے سرکارؐ نے اپنی ذات کو بھی فرط فرمایا ہے، کیونکہ آپ بھی اپنی گنہگار امت کی مغفرت و بخشش کا سامان مہیّا فرمائیں گے تاکہ قبروں سے اُٹھنے والوں کو میدان حشر میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر کسی عورت کا حمل بھی ساقط ہو جائے۔ اور کچّا بچّہ ضائع ہو جائے تو یہ ساقط شدہ بچہ بھی، اپنی ماں کے لئے نجات کا سامان مہیّا کرے گا۔

حضرت ابی بکرؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں، ماں باپ کی نافرمانی کو بھی شمار کیا ہے۔ اولاد کو اطاعت اور فرمانبردار کی تعلیم دیتے ہوئے ماں اور باپ دونوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے اعتبار سے ماں اور باپ دونوں مساوی ہیں۔ بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی اطاعت کو باپ پر ترجیح ہے۔ جن روایتوں میں ماں باپ کو گالی دینے سے منع کیا ہے۔ اُن روایتوں میں بھی ماں اور باپ کو ایک حیثیت دی ہے۔

جس طرح کسی مرد پر زنا کی تہمت لگانے والا سزا کا مستحق ہے۔ اسی طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا سزا کا مستوجب ہے۔

حضرت عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ ہم لوگ سفر میں جا رہے

تھے ۔ مسافروں میں ایک انصاری عورت جو اونٹنی پر سوار تھی ۔ اُس کی اونٹنی نے شرارت کی تو اُس نے اپنی اونٹنی پر لعنت کی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف عورت کو اس حرکت سے منع فرمایا ۔ بلکہ اونٹنی کو چھوڑ دینے کا حکم دیدیا جانوروں کو لعنت کرنے اور بُرا کہنے کی ممانعت میں بھی مرد و عورت شامل ہیں ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا جو آپ سے سواری کے لیئے اونٹ مانگ رہی تھی کہ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دونگا ۔ وہ اونٹ پر اصرار کر رہی تھی ۔ جب اُس نے زیادہ اصرار کیا تو حضور نے بطور مزاح فرمایا کہ اونٹ کیا اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا ۔

اسی طرح بعض روایتوں میں ایک بڑھیا عورت کا قصہ آتا ہے ۔ جو جنت کے متعلق سوال کر رہی تھی ، اور حضورؐ فرما رہے تھے کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی ۔ جب وہ زیادہ مضطرب ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ ہر بڑھیا جوان ہو کر جنت میں جائے گی ۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ مردوں اور عورتوں کے ساتھ یکساں طور پر ہوا کرتا تھا ۔ جس طرح کبھی کبھی مردوں سے خوش طبعی کے طور پر کچھ فرمایا کرتے تھے اسی طرح کبھی کبھی عورتوں کے ساتھ بھی مزاح کیا کرتے تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کل کونسی بیوی کے ہاں کا دن ہے ۔ ازواج مطہرات نے خیال کیا کہ آپ حضرت عائشہ رضہ کے ہاں رہنا پسند کرتے ہیں تو سب عورتوں نے بالاتفاق آپ کو حضرت عائشہ کے ہاں رہنے کی اجازت دیدی ۔ اور آپ کی وفات حضرت عائشہ رضہ کے حجرے بلکہ حضرت عائشہ رضہ کی گود میں ہوئی ۔ اور یہ شرف بھی ایک عورت کو نصیب ہوا کہ جب خدائے تعالیٰ کا آخری پیغمبر اپنی رُوح خالق ارواح کے سپرد کر رہا تھا تو اس کی خدمتگار اور رفیق حیات ایک عورت

بی تھی۔ جس کا نام عائشہ رضہ تھا۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی بیوہ عورت نے باوجود اپنی غربت اور حسن و جمال کے محض اپنے یتیم بچوں کی پرورش اور اُن کی بربادی کے خوف سے نکاح نہیں کیا، اور اپنی جان کو روکے رکھا۔ یہاں تک کہ وہ بچّے بڑے ہو جائیں یا مر جائیں تو یہ عورت میرے ساتھ اس طرح ہو گی جس طرح ہاتھ کی انگلیاں آپس میں ملی ہوتی ہیں۔

ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھولونگا۔ لیکن ایک عورت مجھ سے بھی آگے آگے جارہی ہوگی۔ میں اُس سے دریافت کرونگا۔ اے عورت تو کون ہے۔ وہ کہے گی۔ میں وہ بیوہ ہوں جس نے یتیم بچّوں کی پرورش کے خیال سے اپنے نفس کو روکے رکھا۔ اور نکاح نہیں کیا۔ یعنی محض اس ڈر سے نکاح نہیں کیا۔ کہ دوسرا خاوند اپنی خدمت کے لئے مجبور کرے گا۔ اور یتیم بچّے برباد ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضہ کی روایت میں ہے کہ میری ماں نے مجھے ایک دفعہ یہ کہکر بُلایا کہ یہاں آ، میں تجھے کچھ دونگی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا اے عورت تو اس بچّے کو کیا دے گی۔ میری ماں نے کہا یا رسول اللہ ایک کھجور میرے پاس ہے وہ دیدونگی۔ آپنے فرمایا اگر تو اس کو بلا کر کچھ نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ کا گناہ لکھا جاتا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کی ماں اپنے بچّے کو بھی بُلائے تو دھوکا دے کر نہ بلائے۔ اگر کچھ دینا ہو تو دینے کا نام لے کر بُلائے۔ بہر حال جھوٹ بولنے کی ممانعت اور کذب کی حرمت میں بھی مرد و عورت کی حیثیت یکساں ہے۔

بعض روایتوں میں اُن مردوں پر لعنت کی ہے، جو عورتوں کی نقل اُتاریں۔

اور اُن عورتوں پر بھی لعنت کی ہے۔ جو مردوں کی نقل کریں۔
ایک دوسرے کی نقل کرنے اور لعنت کے مستحق ہونے میں برابر کے شریک ہیں۔
لیلیٰ بنت قائف کی روایت میں ہے کہ میں بھی اُن عورتوں میں شامل تھی جو ام کلثوم کو اُن کی وفات کے بعد غسل دے رہی تھیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کفن لئے کھڑے تھے، آپ کفن کا ایک ایک کپڑا مجھے دیتے جاتے تھے اور میں ام کلثوم کو کفن پہناتی جاتی تھی۔ ام کلثوم کے کفن میں پانچ کپڑے تھے۔
مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں۔ اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے۔ گویا عورت کے کفن میں مرد سے دو کپڑے زائد ہیں۔
جس طرح مرد قبور مسلمین کی زیارت کر سکتے ہیں۔ اور ان کے لئے زیارت قبور مستحب ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی اگر وہ قبروں پر جزع فزع نہ کریں اور رونے پیٹنے سے اجتناب کریں تو اُن کو بھی قبروں کی زیارت صحیح مذہب کی بنا پر جائز ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جس عورت کا بچہ مر جائے تو جو شخص اُس عورت سے تعزیت کرے گا، اور اس کی اس غم میں دلجوئی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس تعزیت کرنے والے کو جنت میں داخل کریگا۔
حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ اُم سلیم نے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کر لیا تھا یہ پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی تو یہ پسینہ دلہنوں کے لئے بجائے عطر کے استعمال ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ نے اپنی وفات کے وقت اُم سلیم کو وصیت کی تھی کہ یہ پسینہ میرے کفن میں لگا دیا جائے۔
حضرت ابن ابی اوفی رضؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی

بیوہ عورت اور کسی مسکین کے ہمراہ جانے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضہ کے بستر پر لیٹے ہوئے ہوتے تھے، اور وحی نازل ہوتی تھی۔ گویا یہ شرف بھی عورت کو حاصل ہو چکا ہے کہ اُس کا بستر وحی الٰہی کا مہبط ہو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح مردوں کے لیے اسلام کی دُعا کرتے تھے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے اسلام کی دُعا فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضہ کی درخواست پر آپ نے اُن کی ماں کے لئے ان الفاظ میں دعا کی :۔

اللّٰھم اھد ام ابی ھریرۃ[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضہ فرماتے ہیں۔ اس دعا کے بعد میں مکان پر پہونچا تو میری ماں غسل کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے اندر سے کہا، ابو ہریرہ ٹھہر جا میں غسل کر رہی ہوں۔ اُنھوں نے غسل سے فارغ ہو کر، جلدی سے اپنی چادر اُڑھی اور دروازہ کھولا۔ مکان کا دروازہ کھولتے ہی کہا :۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ[۲]

حضرت ابو ہریرہ رضہ فرماتے ہیں، میں اُسی وقت واپس حضورؐ کی خدمت حاضر ہوا، میری آنکھوں میں خوشی کے مارے آنسو ڈبڈبا رہے تھے، حضور نے وجہ دریافت کی تو میں نے اپنی ماں کے اسلام کی خبر سُنائی، اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ حضور نے یہ خبر سُن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور خدا کا شکریہ ادا کیا۔

عورت کی شرافت اور اُس کے مرتبہ کی بلندی کا پتہ حضرت زینب کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُن کا

---

[۱] اے اللہ! ابی ہریرہ کی ماں کو ہدایت دید ے ۱۲

[۲] میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ۱۲

بستر پر بارہا وحی الٰہی کے نزول کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ اسی طرح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے کہ اُن کا نکاح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرش الٰہی پر کیا گیا۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود بھی تحدیث نعمت کے طور پر اس احسان کا ذکر فرمایا کرتی تھیں۔ اور فخر و مباہات کے سلسلہ میں کہا کرتی تھیں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج کا نکاح زمین پر ہوا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سگی بہنوں۔ سگی خالہ بھانجیوں۔ حقیقی پھوپی بھتیجیوں کو ایک وقت میں کسی ایک شخص کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ یعنی اس قسم کی دو عورتوں کو ایک شخص نکاح اور وطی میں شریک نہیں کر سکتا جن دو میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے۔ تو اُن دونوں کا نکاح آپس میں حرام ہو۔ مثلاً دو بہنوں میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ بھائی بہن ہونگے۔ اور بھائی بہن کا نکاح آپس میں حرام ہے۔ تو ایسی عورتوں کو بیک وقت ایک شخص اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ رشتے گود بیٹ کے ہوتے ہیں، اس لئے باہمی رقابت اور منافست جو سوکنوں میں ہوا کرتی ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے، اس اجتماع کو حرام کر دیا۔ اور عورتوں کی نزاکتِ طبع کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو نذر مانی تھی، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس امت میں بھی عورت کی نذر کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور اس معاملہ میں مرد و عورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے، جس طرح مرد کو اپنی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح عورت کو اپنی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم

کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو جنگ سے کامیاب واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ سرکار نے فرمایا:۔

لہ
إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاوفی بنذرك والا فلا۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:۔

۵۲
لا تحقرن جارة لجارتها ولوشق فرسن شاة۔

گویا جس طرح مرد ایک دوسرے کو ہدیہ دے سکتا ہے اسی طرح عورت بھی ایک دوسری عورت یا مرد کو ہدیہ دے سکتی ہے۔ ہدیہ دینے اور ہدیہ قبول کرنے میں مرد و عورت یکساں ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جو حکم ہبہ کا ہے وُہی حکم وصیّت کا ہے جس طرح مرد ایک دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے وصیّت کرسکتا ہے، اسی طرح عورت بھی ہبہ اور وصیّت میں مختار ہے۔ ان چیزوں کی صحیح تفصیل انشاء اللہ حقوق کی دوسری قسم میں آجائے گی۔

حضرت ابی امامہ کی روایت میں ہے:۔

۵۳
من ادعی الی غیر ابیه فعلیه لعنة الله التابعة الی یوم القیمة

بعض لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اپنا حسب نسب چھپانے کی غرض سے اپنی نسبت دوسرے خاندان سے کر دیا کرتے ہیں۔ یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے۔ اور اس گناہ اور اس عذاب میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔

لہ اگر تو نے اس قسم کی نذر مانی تھی تو اس کو پورا کرلے اور اگر نذر نہیں مانی تھی تو ایسا نہ کر۔ ۱۲

۵۲ یعنی ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھا کرے۔ خواہ وہ ہدیہ ایک بکری کے کھر کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ۱۲ ۵۳ یعنی جس شخص نے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے آپکو غیر باپ کی طرف منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی متواتر لعنت کا سلسلہ قائم رہتا ہے ۱۲

حضرت میمونہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ جب تم بلال کی اذان سُنا کرو۔ تو جو کلمے بلال کہتا ہے وہی تم بھی کہا کرو۔ ایک ایک کلمے کے بدلے ایک ایک درجہ تم کو ملے گا۔ یعنی اذان کا جواب دینا جس طرح مردوں کو مستحب ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی مستحب ہے ہاں مردوں کا ثواب زیادہ ہے۔

حضرت اُم حمید کی روایت میں ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی یا رسول اللہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو میرا جی چاہتا ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا۔ بیشک تیرا جی میرے ساتھ نماز پڑھنے کو چاہتا ہے۔ لیکن تیری وہ نماز جو تو کوٹھری میں پڑھے اس سے بہتر ہے کہ جو دالان میں پڑھے، اور دالان کی نماز اس سے بہتر ہے کہ جو تو گھر کے صحن میں پڑھے۔ اور گھر کے صحن کی نماز محلے کی مسجد میں جو نماز پڑھے، اس سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد میں جو نماز پڑھے وہ اس نماز سے بہتر ہے۔ جو میری مسجد میں پڑھے۔ اس نیک بی بی نے اس حکم کو سُنکر گھر کی کوٹھری میں ایک چبوترہ بنالیا، اور ہمیشہ اسی چبوترہ پر نماز پڑھتی رہیں۔ یہانتک کہ اُن کی وفات ہو گئی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر فتنہ و فساد کا زمانہ نہ ہو اور عورت پردے کے ساتھ مسجد میں جانا چاہے، تو نماز پڑھنے کو جا سکتی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ نماز گھر میں پڑھے اللہ تعالیٰ گھر کی نماز میں اس سے زیادہ ثواب دے گا جو مردوں کو مسجد میں ملتا ہے۔ گویا نماز کے ثواب میں عورتوں کو مردوں پر ترجیح دی گئی، اور گھر کی نماز کو مسجد کی نماز سے بہتر بتایا گیا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتھن خیر لھن۔[۱]

---

[۱] عورتیں اگر مسجد میں نماز کو جانا چاہیں، بشرطیکہ فتنہ و فساد کا خوف نہ ہو تو انکو منع نہ کرو ۱۲

تو ان کو منع نہ کرو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ عورتوں کے لئے گھروں میں رہنا بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی وہ روایت بھی گزر چکی ہے۔ جس میں نماز کے لئے شوہر کو بیوی کے اور بیوی کو شوہر کے جگانے اور منہ پر پانی کے چھینٹے دینے کا ذکر کیا گیا ہے، اور مرد و عورت کی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے دونوں کے لئے رحمت الٰہی کی دعا کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مردوں کو دعائیں اور وظائف تعلیم کیا کرتے تھے، اسی طرح عورتوں کو وظائف کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

ابن عبد حمید کی والدہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے مکان پر رہتی تھیں اور انکی خدمت کیا کرتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح و شام کے پڑھنے کا وظیفہ بتایا تھا۔ جکے الفاظ یہ ہیں:۔

سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءْ لَمْ یَکُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ط

یہ وظیفہ بتا کر آپ نے فرمایا تو اسکو صبح اور شام پڑھ لیا کر۔ صبح کو پڑھ لینے سے شام تک اور شام کو پڑھ لینے سے صبح تک تمام آفات سے محفوظ رہے گی۔

حضرت عثمان کی روایت میں امت کی ہلاکت اور تباہی کے سلسلے میں جن گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں مردوں کا مردوں پر اور عورتوں کا عورتوں پر اکتفا کر لینا بھی مذکور ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

[1] واکتفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء

گویا جس طرح مردوں کا مردوں پر اکتفا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کا عورتوں پر اکتفا کرنا بھی حرام ہے۔

---

[1] یعنی مرد اپنی نفسانی ضرورت مردوں سے پوری کر لیں۔ عورتیں اپنی نفسانی خواہش عورتوں سے پوری کر لیں ۱۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عبد اللہ بن عامر کا ہدیہ واپس کر دیا تھا۔ جب قاصد ہدیہ لے کر واپس جانے لگا تو آپ نے اُس کو واپس بلا لیا۔ اور فرمایا جو کچھ لایا ہے رکھدے، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

یا عائشۃ من اعطاك عطاء بغير مسألة فاقبليه فانما هو رزق عرضه الله اليك[1]

مطلب یہ ہے کہ ہدیہ کے قبول کرنے میں بھی مرد و عورت کا یکساں حکم ہے۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی ایک دن مسئلہ دریافت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوئیں تو دیکھا ایک انصاری عورت بھی اسی غرض سے دروازے پر کھڑی ہے تھوڑی دیر میں حضرت بلال نکل کر آئے۔ تو ان دونوں نے اپنا مسئلہ دریافت کیا، سوال دونوں کا یکساں تھا۔ دونوں عورتیں یہ دریافت کرتی تھیں کہ ہم اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دے سکتے ہیں سرکار نے بلال رض کی معرفت جواب بھیجا کہ ان سے کہہ دو۔

لَهُمَا اَجْرَانِ۔ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ[2]

گویا صدقہ دینے اور خیرات کا ثواب پانے میں بھی مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے۔ شوہر کی اجازت سے بیوی اگر لقمہ کسی مسکین کو دیتی ہے تو شوہر کو بھی ثواب ملتا ہے اور گھر والی کو بھی ثواب ملتا ہے

---

[1] یعنی اے عائشہ اگر بغیر طلب اور بدون سوال کے کوئی شخص تجھکو کچھ دیا کرے تو اسکو قبول کر لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک قسم کی عطا ہوتی ہے جو تجھکو پیش کی جاتی ہے ۱۲

[2] تمکو دوہرا ثواب ملیگا، قرابت داروں کی خدمت کا بھی ثواب اور صدقہ کا بھی ثواب ۱۲

کیونکہ اُس نے وہ کھانا تیار کیا ہے۔ بلکہ اُس نوکر کو بھی ثواب ملتا ہے جو یہ لقمہ یا کھانا مسکین کو دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کو بیان کر کے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَنْسَ خَادِمَنَاہ [۱]

حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ میں نے حضور سے جہاد کی اجازت مانگی اور میں نے کہا یارسول اللہ جہاد کا بہت بڑا ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم کو حج اور عمرے میں جہاد کے برابر ثواب ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تم پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں قتل و قتال نہیں ہے۔ اور وہ حج و عمرہ ہے یعنی مردوں کو جو ثواب جان دے کر حاصل ہوتا ہے، عورتوں کو صرف حج کرنے سے وہ ثواب حاصل ہو جاتا ہے،

کعب بن مرہ کی روایت میں ہے۔ جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تو یہ آزادی اُس مرد کے لیے دوزخ کی آگ سے نجات کا موجب ہو گی۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان عورت نے مسلمان لونڈی یا غلام کو آزاد کر دیا تو آزاد کرنے والی عورت کو یہ آزادی دوزخ کی آگ سے نجات دلا دیگی۔ یعنی مسلمان غلام اور مسلمان لونڈی کو آزاد کرنا دوزخ سے آزادی کا سبب اور موجب ہے۔ اور اس اجر و ثواب میں مرد و عورت دونوں کا یکساں حکم ہے۔

ایک مرد کا غیر عورت کو اور ایک عورت کا غیر مرد کو دیکھنا، اور اس دیکھنے کی ممانعت میں مرد و عورت کی مساوات تو قرآن سے ثابت ہے۔

یہاں تک عورت کے مرتبے اور اُس پوزیشن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمام وہ امور ہیں۔ جن کا تعلق عالم آخرت یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ

---

[۱] اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اجر و ثواب میں ہمارے خادموں اور ملازموں کو بھی فراموش نہیں کیا ۱۲

ہے یعنی اس حصۂ مضمون میں اکثر وہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا تعلق عورت کی نجات یا عالم اخروی کی جزا و سزا کے ساتھ ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے سے، ہمارے ناظرین کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ اسلام نے عورت کو کتنا بلند مرتبہ دیا ہے، اور اُس کے اعزاز و اکرام کو کسقدر ملحوظ رکھا ہے۔ اگرچہ مجھے اس امر کا اعتراف ہے، کہ ابھی اس مضمون کے بہت سے گوشے باقی ہیں، اور بڑی حد تک یہ مضمون تشنہ ہے لیکن جس محنت سے یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے، اور جن مشاغل کی موجودگی میں اسکو ترتیب دیا گیا ہے۔ اسکے اظہار کا یہ موقع نہیں ہے۔ پھر بھی جسقدر تلاش و تتبع سے مرتب ہوگیا وہ غنیمت ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جسقدر مرتب ہوا ہے۔ اُس کا تعلق زیادہ تر مذہبی طبقے سے ہے۔ یعنی وہ لوگ جو عالم برزخ اور قیامت کے قائل ہیں، اور وہ لوگ جو عبادت الٰہی کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ادا کرتے ہیں۔ ان کو اس مضمون سے یقیناً دلچسپی ہوگی۔

لیکن جہاں تک غیر مسلم اقوام کا تعلق ہے اُن کے اعتراضات کا جواب اس مضمون میں نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک نماز، روزے یا حج و زکوٰۃ کا سوال نہیں ہے۔ نہ وہ قیامت اور نہ عالم برزخ کو جانتے ہیں بلکہ وہ تو عورت کو سوسائٹی میں بلند مرتبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کا اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے سوسائٹی میں عورت کو بہت نیچا کر دیا ہے۔ اور اسکی عزت کو گرا دیا ہے۔ پروپرٹی یعنی ملکیت کے اعتبار سے سوسائٹی میں عورت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ یہی وہ اعتراضات تھے۔ جن کا جواب دینے کی غرض سے میں نے یہ مضمون لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن شروع کرتے وقت خیال ہوا کہ مضمون کی تکمیل اور اُس کے اہتمام کی غرض سے ہر وہ چیز جمع کرنی چاہئے جسکو شریعت اسلامی نے عورت کے متعلق کہا ہو۔ ان اعتراضات کی ابتدا تو اصل میں عیسائی مبلغوں نے کی لیکن جیسا کہ

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام نے بھی مسیحی مبلغوں کی تقلید شروع کر دی۔ اس لئے میں نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ ایک مضمون اس بارے میں ایسا مدلل اور جامع لکھا جائے کہ جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت کی حقیقت کا پورا پورا آئینہ دار ہو۔ آج الحمد للہ اُس کا ایک حصّہ پورا ہو رہا ہے۔ میں انصاری اخبار کا شکر گذار ہوں کہ اُس نے میرے اس نیک مقصد میں اعانت کی، اور میرے خیالات کو اخبار انصاری کے ذریعہ اپنے ناظرین تک پہنچا دیا۔ اس مضمون کا دوسرا حصّہ انشاء اللہ آیندہ عرض کیا جائے گا جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ اسلام نے سوسائٹی میں عورت کو کیا درجہ دیا ہے۔ اور مرد پر اُس کے حقوق کیا ہیں۔ اُس کی ملکیت اور پراپرٹی کی صورت کیا ہے۔

عورت کا مال، اُس کی جائداد، اُس کا مہر، اُس کا ورثہ، طلاق اور فسخ نکاح، اُس کا جہیز، اور چڑھاوا۔ حکومت و امارت، اور شہادت وغیرہ میں اس کا درجہ کیا ہے۔ اور اسلام نے ان معاملات میں جو حقوق اُسکے تسلیم کئے ہیں۔ اُن سے اُسکو سوسائٹی میں کہاں تک بلند کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی تکمیل معترضین کے اعتراضات کے لئے کافی ہوگی اور دُنیا کے منصف مزاج انسان اس امر کا صحیح اندازہ لگا سکیں گے کہ عورت کے غلط حمائتی جو عورت کی حمایت میں مقدس اسلام پر آئے دن الزامات کی بوچھاڑ کیا کرتے ہیں، وہ الزامات کس حد تک غلط اور بے جا ہیں۔ اور اُن کا مبنی اور اُن الزامات و اعتراضات کی بنیاد محض یورپ کے خانہ ساز پراپگنڈے پر ہے یا اُس میں کوئی حقیقت ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے ناظرین آیندہ شائع ہونے والے مضمون کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں گے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

۱۹۳۶ء

عرشِ الٰہی کا سایہ

قیامت کے دن جہاں ایک طرف لوگ صدہا پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے۔ وہاں خدا کے مخصوص اور مطیع فرمانبردار بندے عرش الٰہی کے سایہ میں آرام و اطمینان سے بیٹھے ہوں گے۔ اگر ایک طرف دھوپ کی گرمی، پسینوں کی کثرت، حساب کی گھبراہٹ، اور جہنم کی دہشت سے لوگ نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ[1] تو دوسری طرف ایک گروہ دائمی سرور کی لذت، انعامات الٰہی کی مسرت، سایہ کی ٹھنڈک، چشموں کی قربت سے بہرہ اندوز ہو رہا ہوگا۔ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ[2]

آج کی صحبت میں ہم اس مبارک اور خوش نصیب گروہ سے قارئین کرام کا تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ جنکو قیامت کے ہولناک دن میں عرش الٰہی کا سایہ اور جوار رحمت و قربت کاملہ کا فخر حاصل ہونے والا ہے، اگرچہ کتب صحاح میں ان حضرات کی سات قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں اسی حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جسمیں اس خوش نصیب گروہ کو سات حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن کتاب احادیث کے تتبع اور تلاش سے ان حضرات کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے، اگرچہ

---

[1] مجرم اس امر کی تمنا کریگا کہ کاش وہ اپنے فدیہ میں اس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کو، اور اپنے بھائی کو اور اپنے سارے کنبے کو جسمیں وہ رہتا تھا، اور سب روئے زمین کے آدمیوں کو دے ڈالے، اور وہ کسی طرح اس دن کے عذاب سے نجات حاصل کرے ۱۲ [2] بیشک متقی لوگ سایوں میں چشموں کے کنارے ہوں گے، اور ہر قسم کے میوے جنکی خواہش کرینگے۔ اُن کو ملتے ہونگے، اِن سے کہا جائیگا، کھاؤ اور پیو جی بھر کر جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اُسکے صلہ میں یہ انعامات ہیں ۱۲

بعض احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔ لیکن فضائل و مناقب میں ان کا ضعف مخل یا مضر نہیں ہے۔ بعض روایات میں بجائے عرش کے صرف سایہ یا اطمینان وراحت کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن اتحاد مقصد و وحدت نتیجہ کے لحاظ سے ہم نے اُن کو بھی اِسی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔ ناظرین کو اس مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس مقدس گروہ کی تعداد تہتر تک پہونچ جاتی ہے۔ اگرچہ بعض علما سے اسّی بیاسی بھی منقول ہے۔ لیکن ہم تہتر کی تعداد کو قریب الاعتماد سمجھتے ہوئے اُسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت حق جل مجدہٗ سے دعا ہے کہ وہ ہمکو اور ہمارے ناظرین کو ان اعمالِ حسنہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ جو عرش الٰہی کے سایہ اور قربِ الٰہی کے ظلّ عاطفت کا موجب ہوگا۔

عرش الٰہی کا سایہ کن لوگوں کو میسّر ہوگا

۱۔ امام عادل۔

۲۔ جوانی کی حالت میں خدا کی عبادت کرنے والا۔

۳۔ جس شخص کے دل میں ہر وقت مسجد کا خیال لگا رہتا ہے۔

۴۔ وہ دو شخص جو صرف خدا کے لئے آپس میں محبّت رکھتے ہوں۔

۵۔ وہ شخص جسکو کسی حسین وجمیل عورت نے تخلیہ میں اپنا نفس سونپ دیا۔ اور اُس نے باوجود قدرۃ علی الزنا خدا کے ڈر سے کہا اِنِّیۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

۶۔ وہ جو صدقہ میں اسقدر اخفا کرتا ہے کہ دائیں ہاتھ کے صدقہ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہونے دیتا۔

۷۔ تخلیہ میں خدا کے خوف سے رونے والا۔

۸۔ جو شخص اپنے مقروض کو مہلت دیتا ہے

۹۔ جو مجاہد فی سبیل اللہ کی امداد و اعانت کرتا ہے۔
۱۰۔ جو شخص مکاتب کو آزاد کرنے میں مکاتب کا ہاتھ بٹاتا ہے (مکاتب وہ غلام ہے جس کی آزادی کو اس کا آقا کسی روپے کے ساتھ مشروط کر دے)
۱۱۔ جو شخص کسی نیک آدمی کو محض اللہ کے واسطے دوست رکھتا ہے۔
۱۲۔ مجاہدین کے لشکر کی امداد و اعانت میں جو شخص خود بھی شہید ہو جائے۔
۱۳۔ تجارت میں سچ بولنے والا۔
۱۴۔ وہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں اور خلق حسن سے متصف ہو۔
۱۵۔ جو شخص سردی کی تنگیوں اور دشواریوں کے باوجود وضو کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔
۱۶۔ رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والا۔
۱۷۔ جس شخص نے کسی انسان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا۔
۱۸۔ وہ شخص جو یتیم کی پرورش اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے
۱۹۔ بیوہ عورت کی خدمت کرنے والا۔
۲۰۔ وہ شخص جو دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنا حق قبول کرتا ہے۔
۲۱۔ سلطانِ عادل کی نیک نیتی سے خدمت کرنے والا۔
۲۲۔ جو شخص دوسروں کے حق میں وہ فیصلہ کرتا ہے اور وہی حکم لگاتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
۲۳۔ جو شخص خدا کے بندوں کی خیرخواہی کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہے۔
۲۴۔ جو شخص اہل ایمان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا ہے اور نرمی سے پیش آتا ہے۔
۲۵۔ جس عورت کا بچہ مر جائے تو جو شخص ایسی غمزدہ کی تعزیت کریگا وہ بھی عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا۔
۲۶۔ جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اور قرابت داروں کے حق کو پہچانتا ہے۔
۲۷۔ وہ بیوہ عورت جو چھوٹے بچوں کی پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہ کرے۔

۲۸- جو شخص عمدہ کھانا پکائے، اور اچھی غذا تیار کرے۔ پھر اُس کھانے میں کسی یتیم کو بلا کر شریک کرے۔

۲۹- وہ شخص جو ہر موقع پر اللہ رب العزت کی معیت کا یقین رکھتا ہو۔

۳۰- غریبوں کا وہ شکستہ طبقہ جن کی غربت اور فقیری کے باعث کوئی شخص اُن کی جانب متوجہ نہ ہو۔ اگر وہ کسی مجلس میں آ جائیں تو اُن کو کوئی پہچانتے بھی نہیں۔ خاموش اور غیر معروف زندگی بسر کرنے والے خاتون کی مصیبت سے مر گئے۔ لیکن کسی کو خبر نہ ہوئی۔ دُنیا میں مجہول لیکن آسمانوں میں مشہور۔ لوگ اُن کو بیمار سمجھتے ہیں۔ لیکن اُن کو سوائے خوفِ خدا کے دوسرا مرض نہیں ہے۔

۳۱- قرآن کی خدمت کرنے والے عالم اس سے کہ حافظ ہوں یا ناظرہ خود بھی قرآن پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی قرآن کا مطلب بتلاتے ہیں۔

۳۲- وہ شخص جس نے بچپنے میں قرآن سیکھا، اور جوان ہو کر بھی اس کو پڑھتا رہا۔

۳۳- وہ شخص جس کی آنکھ محارم اللہ سے باز رہی۔

۳۴- وہ شخص جس کی آنکھ میں خدا کی راہ میں جاگنے کی تکلیف برداشت کی ہو۔

۳۵- وہ شخص جس کی آنکھ خدا کے خوف سے روتی رہتی ہے۔

۳۶- وہ شخص جو اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔

۳۷- جس شخص نے کبھی اپنا ہاتھ غیر حلال مال کی طرف نہیں بڑھایا۔

۳۸- جس شخص نے حرام کی طرف نگاہ پھیر کر بھی نہیں دیکھا۔

۳۹- جو شخص سُود نہیں لیتے اور بیاج سے پرہیز کرتے ہیں۔

۴۰- جو لوگ رشوت نہیں لیتے۔

۴۱- وہ شخص جو ذکرِ الٰہی کی غرض سے وقت کا شمار کرتا رہتا ہے مثلاً کب وقت ہو اور میں نماز پڑھوں۔

۴۲۔ جس نے کسی غمگین کا غم دُور کر دیا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دُور کر دی۔
۴۳۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کو زندہ کیا۔
۴۴۔ کثرت سے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود بھیجنے والا۔
۴۵۔ مسلمانوں کے وہ بچے جو صغر سنی کی حالت میں مر گئے ہوں۔
۴۶۔ بیماروں کی عیادت کرنے والا۔
۴۷۔ جنازہ کے ساتھ جانے والا۔
۴۸۔ نفلی اور فرضی روزہ رکھنے والا۔
۴۹۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صحیح دوستی رکھنے والے۔
۵۰۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سورہ انعام کی پہلی تین آیتیں پڑھا کرتا ہے (سورہ انعام ساتویں پارہ میں ہے۔ اس کی ابتدا سے تین آیتیں شمار کر لینی چاہئیں)
۵۱۔ دل اور زبان دونوں سے خدا کا ذکر کرنے والا۔
۵۲۔ جن لوگوں کے دل پاک صاف اور بدن ستھرے ہوں، خدا کے لئے محبت کرتے ہوں۔ خدا کے ذکر کے ساتھ اُن کا بھی تذکرہ ہوتا ہو۔ جہاں ان کا چرچا ہوتا ہو تو اُن کے ساتھ خدا کا بھی تذکرہ ہوتا ہو۔ سردی کے موسم میں وضو کی پابندی کرنے والے۔ ذکر خدا کی طرف مائل ہونے والے۔ خدا کے محارم کی توہین پر غضبناک ہونے والے، مسجدوں کو آباد اور اُن کی تعمیر میں سعی کرنے والے، اور صبح کے وقت کثرت سے استغفار میں مشغول رہنے والے۔
۵۳۔ نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے منع کرنے والے، خدا کی اطاعت کے لئے اُسکے بندوں کو بلانے والے۔
۵۴۔ وہ شخص جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر لوگوں سے حسد نہیں کرتا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ چغلخوری سے اجتناب کا عادی ہے۔

۵۵۔ جس شخص نے اپنا مال اور اپنی جان جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کر دی۔ اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اسکے لیئے عرش الٰہی۔ کے نیچے ایک خیمہ بھی نصب کیا جائیگا۔

۵۶۔ وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔

۵۷۔ وہ امام جس سے اُس کے مقتدی راضی ہوں۔

۵۸۔ وہ مؤذن جو اللہ کے لیئے پانچوں وقت کی اذان دیتا ہے۔

۵۹۔ وہ غلام جس نے آقائے مجازی کے ساتھ مولائے حقیقی کا بھی حق ادا کیا ہو۔

۶۰۔ وہ شخص جو لوگوں کی حاجت برآری اور مشکل کشائی کرتا ہے۔

۶۱۔ اللہ کے لیئے ہجرت کرنے والا۔

۶۲۔ وہ شخص جو لوگوں میں صلح کرانے کی غرض سے سعی کرتا ہے۔

۶۳۔ وہ انسان جس کے دل نے کبھی زنا کا ارادہ نہیں کیا۔

۶۴۔ اہل تقویٰ (یہ سب سے زیادہ عالی مرتبہ ہوں گے)

۶۵۔ وہ شخص جو بات بھی کرتا ہے تو علم ہی کی کرتا ہے۔ اور سکوت بھی کرتا ہے۔ تو علم کی بات پر سکوت کرتا ہے۔

۶۶۔ بیکار اور بے ہنر اور صنعت نہ جاننے والے انسان کی اعانت کرنے والا۔

۶۷۔ وہ شخص جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا۔ خدا کی راہ میں اُس نے جہاد کیا۔ سچ بولتا اور امانت کو صحیح طریقے پر ادا کرتا ہے۔ خلہ کی گرانی کے لئے آرزو نہیں کرتا۔

۶۸۔ وہ شخص جو مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہے۔ اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھتا ہے (اس روایت کی سند منکر ہے)

۶۹۔ جو ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔

۷۰۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کثرت سے کہنے والا۔

۷۱۔ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے حواصل میں رہتی ہیں، اور یہ پرندے تمام عرش الٰہی کے نیچے قنادیل میں رہتے ہیں۔

۷۲۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سایہ رحمٰن میں ہونگے۔

۷۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوائے حمد لئے ہوئے، امام حسنؓ و حسینؓ کے ہمراہ عرش کے سایہ میں ہونگے، اُنکی جگہ حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ يَارَبِّ وَفِّقْنِيْ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے
مختصر حالات

دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے سلسلے میں جو منزل کہ آخری اور ارتقائی تھی وہ ایمان لانے والوں کی جان اور اُن کے مال کا تحفظ تھا۔ ہر ہادی اور دُنیا کے ہر پیغمبر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جب اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کرے تو یہ سوچ لے کہ جو لوگ میرے مذہب کو قبول کریں گے، اُن کی حفاظت اور صیانت کا انتظام کیا ہوگا۔ یہ وہ اہتم بالشان چیز ہے جو اپنی زندگی میں ہر ایک پیغمبر کو پیش آتی رہی، اور اس خطرے سے کوئی پیغمبر بھی محفوظ نہیں رہا اور نہ کوئی ایسا شخص محفوظ رہ سکتا ہے۔ جو کسی نئے مذہب اور جدید خیالات کا موجد اور اُن کا مبلغ ہو۔ آج بھی آپ کوئی تحریک شروع کر کے دیکھ لیجئے ظاہر ہے کہ تمام دُنیا تو آپ کی کسی تحریک سے بھی اتفاق نہیں کر سکتی۔ لیکن کچھ لوگ یقیناً آپ کی تحریک کا خیر مقدم کرتے ہوئے، اُسے قبول کریں گے۔ قبول کرنے والوں کے مقابلہ میں ایک جماعت آپ کی اور آپ کے ہمخیال لوگوں کی مخالف بھی ہوگی۔ مخالف یقیناً آپ کی جماعت کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ اُس وقت آپ کا یہ اخلاقی فرض ہوگا کہ آپ اپنی جماعت کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی

ہر امکانی تدابیر اختیار کریں یہی حالت ہر ایک زمانے میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پیش آتی رہی ہے۔ دنیا ان کے متبعین کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کے لیئے آمادہ رہی اور وہ بیچارے مجبور ہو کر اپنی مٹھی بھر جماعت کو ان موذیوں سے بچانے کی تدابیر اختیار کرتے رہے۔

انبیاء کا پہلا وعظ!

سلسلہ نبوت کے تمام بزرگوں پر نظر ڈالیئے۔ تو اُن کا پہلا وعظ یہی نظر آئے گا کہ وہ اوّل خدا کی توحید پر درس دیتے تھے۔ اور اُن کا دوسرا فقرہ یہ ہوتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے مبعوث ہو کر آیا ہوں۔ میری اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون [۱]

اگرچہ پیروی اور اطاعت کے سلسلہ میں ہر پیغمبر نے اپنی پوزیشن کو صاف کرتے ہوئے یہ ضرور فرمایا کہ میں اپنی پیروی کا حکم کسی دُنیاوی لالچ یا حصولِ زر کی غرض سے نہیں دیتا، بلکہ میرا اجر تو اُس خدا کے ذمہ ہے جس نے مجھکو مبعوث کیا ہے۔

[۲] وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری علیٰ رب العالمین ٥

ایک ہادی اور داعی مذہب کا یہ اتنا صاف اور صریح بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی قسم کی بدگمانی اور سوءظنی کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن جن بدنصیبوں کو خدا کی ذات و صفات میں اس کی مخلوق کو شریک کرنے کا چسکا اور اپنے اقتدار کے قیام کا مزا پڑ گیا ہو، اُن کے لئے دونوں باتیں ناقابلِ عمل بلکہ موت کے مرادف تھیں۔ خدا پر ایمان لانا اور اُسکی توحید کا قائل ہو جانا اور اپنی اور اپنے اباؤ اجداد کے جاہلانہ معتقدات کی توہین سمجھتے تھے۔ ان کا

---

[۱] میں ایک پیغمبر ہوں اور خدا کی وحی اور اُس کے احکام کا امانت دار ہوں۔ لہذا خدا سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ [۲] میں تم سے کچھ اُجرت طلب نہیں کرتا بلکہ میری اُجرت تو اللہ رب العزت کے ذمہ ہے ۱۲

دماغ شرک کی نجاست سے اسقدر آلودہ ہو چکا تھا کہ اُن کی سمجھ میں یہ بات ہی نہ آتی تھی کہ ایک اکیلا خدا انسان کی بہت سی ضروریات کی کفالت کیونکر کر سکتا ہے۔ خدائے قدوس کا تخیل ان کے دماغوں میں اپنے پتھریلے بتوں سے زیادہ نہ تھا۔ صرف چھوٹے بڑے کا فرق کرتے تھے۔ باقی خدا کو وہ ایک محدود قوت و طاقت کا مالک سمجھ کر یہ سوچا کرتے تھے کہ وہ تنہا ہماری مشکلات وضروریات کے لئے کس طرح کافی ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ایک انسان کا بدترین گناہ صرف یہ تھا کہ وہ تمام معبودوں کو ایک خدا میں ضم کردے۔ یہ چیز اتنی خطرناک تھی کہ وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھے لیکن اپنے تمام فرضی خداؤں کو ایک خدا میں جذب کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ وہ انبیاء کے درس توحید کو سخت حیرت سے سنتے اور اس پر تعجب کرتے تھے۔

اجعل الالھۃ الٰھا واحدا ان ھذا لشیء عجاب[1]

یہی وجہ تھی کہ وہ انبیاء کی مخالفت کو اپنا اخلاقی اور مذہبی فرض سمجھتے تھے۔

اقتدار کا سوال

دوسری بات جو کفار کو سب سے زیادہ شاق تھی وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت تھی۔ یہ چیز ان کے لئے پہلی مصیبت سے بھی زیادہ تھی۔ وہ اپنے شخصی اقتدار کو اسقدر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنے مقابلہ میں کسی دوسرے کے اقتدار کو سخت خطرے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں پیغمبروں کا اقتدار ہمارے اقتدار اور ہماری شخصیت کو فنا نہ کردے۔ اس لئے ہر زمانہ کے شخصیت پسند انسان ہر نبی کی مخالفت کرنے اور لوگوں کو نبی کے اتباع

[1] کیا تمام خداؤں کو ملا کر ایک کردیں تو یہ عجیب و غریب چیز ہے۔ جس کے لئے ہم ہرگز تیار نہیں ہیں ۱۲

سے باز رکھتے تھے۔ ان کے سامنے یہ سوال اسقدر اہم تھا کہ وہ اس پر سے بیدریغ خدا کے ایک پیغمبر کی عزت کو قربان کر دینا اپنے لئے فخر خیال کرتے تھے، وہ صرف نبی ہی کی توہین کو اپنے لئے مایۂ ناز نہیں سمجھتے تھے بلکہ نبی اور نبی کے متبعین دونوں کو ذلیل خیال کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ اپنے ایمان نہ لانے کی وجوہات میں اس کا بھی ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ بھلا ہم ایسے شخص پر کس طرح ایمان لا سکتے ہیں۔ جس کے اوپر بستی کے ذلیل اور رذیل لوگ ایمان لاتے ہیں۔ قالوا انومن لک واتبعک الارذلون۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اگرچہ امم سابقہ کے مقابلہ میں ایک روشن خیال زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ دُنیا پہلے سے کسقدر مہذب ہو چکی ہے۔ لیکن کمبخت اقتدار کا سوال اس زمانہ میں بھی موجود ہے۔ ابوجہل اور مسعود ثقفی کے مقابلہ میں عبدالمطلب کے پوتے کا اقتدار برداشت نہیں کیا جاتا۔ ان دونوں شخصیتوں کے مقابلہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ناتجربہ کار لڑکا بنایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بڑے لوگوں کی موجودگی میں نبوت کا استحقاق اس کو کیونکر مل گیا۔ اگر خدا کو قرآن نازل ہی کرنا تھا تو پھر مکے اور طائف کی عزت دار شخصیتوں کو اس کے لئے کیوں نہ منتخب کیا گیا۔

لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم ہ

بہر حال آباؤ اجداد کی کورانہ و جاہلانہ تقلید اور اپنے اقتدار کا بقاو تحفظ یہی دو چیزیں تھیں۔ جنہوں نے کفار کو انبیاء پر ایمان لانے سے باز رکھا، اور وہ خدا کی ایک مقدس جماعت کے خلاف ہر قسم کی دل آزاری کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مخالفت کے وجوہ و اسباب خواہ کچھ بھی ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ پیغمبروں کو ہر قسم کی تکالیف اور اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کے متبعین کی جان و مال کو خطرے میں

ڈالا گیا۔ اور ہر قسم کے رُوحانی و جسمانی مصائب کے سامان ان کے لئے مہیا کئے گئے۔

مدافعت کی ضرورت

یہی وجہ تھی کہ ہر زمانے کے انبیاء نے اپنی قوم کے لئے کچھ نہ کچھ مدافعت کے سامان بہم پہونچائے۔ اور ہر طریقہ سے اپنی قوم کو اغیار و اجانب کی دستبرد سے بچانیکی کوشش کی۔ یہ ایک ایسی فطری چیز ہے کہ صرف جماعت انبیاء ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ رہبر اور لیڈر جو اپنے خیالات کی اشاعت کا متمنی ہے۔ اُس کا یہ فرض ہے کہ اگر وہ ایک طرف اپنے خیالات کی اشاعت کی کرتا ہے تو دوسری طرف اس کو اسکی بھی ضرورت ہے کہ جو لوگ اسکے مشن کو قبول کریں۔ اُن کی عزت اور آبرو کو بھی غیروں سے بچائے ورنہ کوئی مشن بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس ہی اُصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرات انبیاء کرام کو بھی بعض مواقع پر جنگ و جدل کی نوبت آئی ہے اگر دُنیا ان کے مقدس خیالات کو نرمی کے ساتھ قبول کر لیتی، یا ان کے متبعین کو تکلیف پہنچانے۔ لوٹنے اور مارنے میں سبقت نہ کرتی تو یہ جماعت قیامت تک بھی کسی کے خلاف قوت کا استعمال نہ کرتی، اس مختصر تمہید کے بعد میں یقین کرتا ہوں کہ ان شبہات کا ازالہ ہو گیا ہو گا۔ جو آج کل مخالفین اسلام کی جانب سے اسلام کی اس تعلیم پر کئے جاتے ہیں جس کا تعلق جنگی امکانات سے ہے۔

حضورؐ کا طرز عمل

کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے تیرہ سال تک نہایت نرمی اور شانتی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور ہر قسم کے جبر و استبداد کا مقابلہ انتہائی صبر و تحمل سے کرتے رہے۔ لیکن کفار کے بغض و حسد نے جب انتہائی

صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں پر ہر قسم کے عذاب کو جائز سمجھ لیا گیا۔ اور آپ کو اور آپ کے تبعین کے ساتھ ہجرت و جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔ تو پھر ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آخر عقل و تہذیب کا تقاضا کیا تھا۔ کیا کفار سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔ اور سفاک بھیڑیوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا کہ یہ بدبخت مسلمانوں کا اچھی طرح خون پیتے رہتے۔ اور مسلم قومیت کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالکر اُمت اسلامیہ کا نام و نشان مٹا دیتے۔ یہی وہ اسباب و علل تھے جن کی بنا پر مظلومین و ضعفار کی حمایت کے لئے جنگ کا اعلان کیا گیا اور قانون جنگ کی وضع ترتیب دی گئی۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا

حضور کا فاتحانہ اقدام

ابتک جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس کا تعلق آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ تھا۔ لیکن جب کفار کی چیرہ دستیوں نے آپ کو ہجرت کے لئے مجبور کر دیا، اور ہجرت کے بعد بھی کفار اپنی جبلی شرارت سے باز نہ آئے تو حضور نے اپنے کمزور ساتھیوں کی جان اور ان کے مال کی حفاظت کے لئے تلوار اُٹھائی اور اس منبع فضل و کمالات نے جب تلوار بھی اُٹھائی تو اس شان کے ساتھ اُٹھائی کہ دُنیا محو حیرت ہو گئی اور آج تمام دُنیا کے تلوار چلانے والوں میں جو درجہ آپ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہیں۔

تلوار

تلوار کشی کا اگرچہ سب سے بڑا مقصد تو یہی تھا کہ کمزور مسلمانوں کے جان و مال کو کفار کی لوٹ مار سے بچایا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی تھی کہ مذہب

اسلام کی حقانیت وصداقت کو ان لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے۔ جن کے نزدیک کسی مذہب کی حقانیت کے لئے صرف ایک ہی دلیل ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس مذہب کا بانی فتوحات کثیرہ کا مالک ہو۔ اور جب کوئی شخص اس کا مقابلہ کرے تو شکست کھا کر بھاگ نہ جائے۔ اگرچہ جنگ میں غالب اور مغلوب ہونے کا تعلق حق و باطل سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن کفار عرب کی اس جہالت کا کیا علاج کیا جائے۔ کہ ان بدبختوں نے مادی طاقت کو بھی مذہب کی حقانیت کے لئے معیار بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد جسقدر عرب کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور فوجیں کی فوجیں کفار کی اسلام میں داخل ہوئیں۔ اس سے پیشتر اسقدر کثرت سے اسلام کی قبولیت کے لئے لوگوں کے دلوں میں میلان نہ ہوا۔ گویا۔ مکہ کا فتح ہو جانا کفار کے نزدیک اسلام کی حقانیت کے لئے بہت بڑا نشان تھا۔ چونکہ کفار کے نزدیک عام فتوحات کا اصول بھی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لئے اپیل تھا۔ اس لئے بھی تلوار اٹھائی گئی۔ تاکہ ان کمالات کا اظہار کر دیا جائے جو آقائے دو جہاں کی جامع صفات زندگی میں قدرت نے ودیعت کئے تھے۔

رسول اکرم کی خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اسکے کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں مدافعانہ پالیسی اختیار کی تھی لیکن پھر بھی کم و بیش دس سال کی مدت میں آپ کو تقریباً انتیس ۲۹ ایسی جنگوں سے مقابلہ کرنا پڑا جن میں خود سرکار کو شرکت کی نوبت آئی۔ اس تعداد ہی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کفار کسقدر ایذا رسانی کے درپے تھے جس شخص کو دس سال میں متواتر تیس بار دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی نوبت آئے اور پھر اسکے عزم و استقلال میں سر مو بھی فرق نہ آئے۔ اسکی ہمت و

شجاعت، دلیری اور بہادری کی جسقدر تعریف کی جائے کم ہے۔ دُنیا کی بڑی بڑی جنگجو قوموں کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ بڑے بڑے بہادروں کی تاریخی زندگی کے افسانے بھی ہمیں معلوم ہیں۔ لیکن ہماری نظر سے ایک بہادر بھی آج تک ایسا نہیں گزرا جسے ہر چوتھے مہینے کوئی لڑائی لڑنی پڑی ہو۔ اور پھر بھی اس کی ہمت اور بہادری میں لغزش نہ آئی ہو۔

غزوات کی تعداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ جنگ میں حسب ذیل مواقع پر لشکر کشی کی نوبت آئی ہے:۔

غزوہ بواط۔ غزوہ عشیرہ۔ غزوہ سفوان۔ غزوۂ بدر کبریٰ۔ غزوہ بنی سلیم۔ غزوہ بنی قینقاع۔ غزوۂ سویق۔ غزوۂ قرقرة الکدر۔ غزوہ ذی امر۔ غزوۂ بحران۔ غزوہ اُحد۔ غزوۂ حمرا الاسد۔ غزوۂ بنی نضیر۔ غزوہ ذات رقاع۔ غزوہ بدر آخرہ۔ غزوہ دامتہ الجندل۔ غزوہ بنی المصطلق۔ غزوہ خندق۔ غزوہ بنی قریظہ۔ غزوہ بنی لحیان۔ غزوہ ذی قرد۔ غزوہ حدیبیہ۔ غزوہ خیبر۔ غزوۂ دار القریٰ۔ غزوہ عمرۃ القضا۔ غزوہ موتہ۔ فتح مکہ۔ غزوہ حنین، غزوۂ طائف۔ غزوہ تبوک

یہ وہ مواقع ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود کسی نہ کسی حیثیت سے شریک ہونے کی ضرورت واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ غزوہ موتہ میں تھوڑی دُور تک مشایعت فرمائی ہے۔

سرایا ان کے علاوہ ہیں۔ ہم نے اُن غزوات کی تعداد پوری تیس لکھی ہے۔ اگرچہ مورخین نے صرف ستائیس ہی پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ بعض نے غزوہ کا مفہوم عام کردیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک چند قیودات کے

باعث غزوہ کا مفہوم خاص ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعض نے غزوہ موتہ۔ عمرۃ القضا۔ فتح مکہ کو اس فہرست سے علیحدہ کر دیا ہے۔

اگرچہ ان تمام غزوات میں سے جنگ کی نوبت صرف نو غزوات میں آئی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

بدر۔ احد۔ بنی المصطلق۔ خندق۔ قریظہ۔ خیبر۔ مکہ۔ حنین۔ طائف۔

باقی غزوات میں یا تو مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ یا دشمن سے صلح ہو گئی۔ یا دشمن پہلے ہی سے بھاگ گیا۔

بہر حال جہاں قتل و قتال کی نوبت آئی ہے وہ صرف مذکورہ بالا نو مواقع ہیں۔

سرکار کی فاتحانہ شان

ہمیں اس مضمون میں جو خصوصیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قارئین کرام کو بتانی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

دس سال کے عرصہ میں تیس بار لڑائی کا سامان کرنا۔ لڑائی کے لئے مدینہ سے کوچ کر کے جانا۔

سامان کی قلت راشن کی کمی سواری کا فقدان اسلحہ کی کمیابی۔ دشمن کی تعداد میں بعض مواقع پر چوگنی۔ تگنی۔ آٹھ گنی بلکہ دس گنی۔ پھر دشمن تمام سامان سے مسلح۔ دشمن کے مورچے اور کمینگاہیں۔ انتہائی مضبوط، اور باوجود ان تمام باتوں کے آخر میں فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حیرت و استعجاب

قارئین کرام کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ بعض غزوات میں صحابہ کے پاس کھجوریں ختم ہو گئیں تو کھجوروں کی گٹھلیاں چوس کر گذر کی۔ اور جب گٹھلیاں ختم ہو گئیں تو درختوں کے پتے کھا کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ بعض غزوات میں جب پاؤں میں جوتیاں نہ رہیں تو کپڑے اور چیتھڑے لپیٹ کر پتھریلی زمین پر سفر کیا۔

سواری کی قلت کی یہ نوبت کہ ایک سواری اور پانچ سوار۔ اسلحہ کی یہ حالت کہ بجائے تیر و تلوار کے جھولیوں میں پتھر بھرے ہوئے۔

اس بے سرو سامانی بے بضاعتی اور کم مائیگی کی حالت میں مسلح اور منظم غنیم سے صرف دس سال کے عرصہ میں تیئس بار لڑنے کی تیاری کرنا (یہ وہ تعداد ہے جس میں حضور بالذات شریک ہوئے ہیں۔ باقی تنہا صحابہ کے لشکروں کو روانہ کرنا۔ جن کو اصطلاح شرعی میں سرایا کہتے ہیں۔ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ بیس مواقع تو وہ ہیں جن کی کمان خود حضور نے کی ہے) اور ہر دفعہ جنگ میں آخری فتح کا سہرا مسلمانوں کے سر ہونا۔ یہ ایسا عجیب و غریب کارنامہ ہے کہ اس پر جس قدر حیرت کا اظہار کیا جائے۔ وہ کم ہے۔ کیا دنیا اپنی تمام عمر میں ایسا کوئی فاتح پیش کر سکتی ہے؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

۱۶ر اگست ۱۹۴۳ء

قرآن شریف کا سہل ترجمہ

اور

آسان تفسیر

میں نے متعدد بار اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ موجودہ دور میں عام مسلمانوں کو قرآن شریف کے معانی اور مطالب سمجھانیکی جو ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ شاید اس سے بیشتر کبھی اتنی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سمجھنے سے کسی وقت مسلمان مستغنی بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسقدر مرض زیادہ ہوگا۔ اسی قدر علاج کی ضرورت زیادہ ہوگی۔ اور جب کبھی مرض کم ہوگا قدرتاً علاج کی ضرورت کم ہو گی۔ آپنے موسمی وبا کے زمانے میں دیکھا ہوگا کہ ڈاکٹر اور حکیم گھر گھر دوائیں بانٹتے پھرتے ہیں اور ہر گھر پر پہونچکر ضروری ہدایات سے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن جب وبا ختم ہو جاتی ہے۔ اور شہر کی آب و ہوا اعتدال پر آجاتی ہے تو دوائیں تقسیم کرنے اور پرہیز کیلئے ہدایات دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح موجودہ دور سے پہلے مسلمانوں پر جسقدر دور گزرے ہیں وہ اُن کی روحانی صحت کیلئے اتنے خطرناک اور خوفناک نہ تھے۔ جتنا خطرناک ہمارا دور ہے۔ پہلے مسلمان اس قدر بددین اور گمراہ نہ تھے، خدا سے ڈرتے تھے۔ گھر گھر علم کا چرچا تھا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم سے کوئی خاندان خالی نہ تھا۔ عربی مدارس و

مکاتب ہر علاقے میں بکثرت موجود تھے۔ اسلامی اقتدار قائم تھا۔ یہ تمام باتیں ہمارے اس منحوس دور میں ختم ہو چکی ہیں۔ ایک غلامی نے ہم میں ہزاروں عیوب پیدا کر دیئے ہیں۔ اب نہ اپنی تعلیم کے مراکز ہیں۔ نہ اُن کا کوئی صحیح سرپرست ہے۔ نہ علم دین کا عام چرچا ہے۔ جو لوگ آج کل تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ اُن کی حالت جاہلوں سے بھی بدتر ہے۔ مغربی تعلیم میں خواہ وہ کتنے ہی ترقی یافتہ ہوں۔ لیکن دین سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اُن کی مجالس میں خدائے ذوالجلال کا انکار۔ رسولوں کا انکار۔ اور دین کا مذاق اور استہزاء اور عالم معاد کی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ ان تمام افسوسناک اور حیاسوز مناظر کو دیکھتے ہوئے۔ میں نے بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو سنبھالنے کی سخت ضرورت ہے۔ بالخصوص تعلیم یافتہ طبقے کی نگرانی اور دیکھ بھال کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ موجودہ دور کی نزاکت نے اس علم کی ذمہ داریوں کو پہلے سے بہت بڑھا دیا ہے۔ انہی ضروریات کے پیش نظر میں نے دہلی میں اپنے بعض احباب کے مشورہ سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اور اس ادارے کا بڑا مقصد یہ مقرر کیا کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ سہل اُردو زبان میں شائع کیا جائے اور ان تراجم کو لکھے پڑھے مسلمانوں کے ہاتھوں تک زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچایا جائے۔ چنانچہ میں نے اس ادارے کی جانب سے توکلاً علی اللہ کام شروع کر دیا۔ اس وقت تک اس ادارے کی جانب سے بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض زیر طبع ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ بھی بحمد اللہ اٹھائیسویں پارے تک پہنچ گیا ہے۔ اس ترجمہ میں جو خصوصیات رکھی گئی ہیں، اور آئندہ تفسیر میں جو خصوصیات پیش نظر ہیں۔ اُن کا ذکر کرنے سے پہلے میں چند ضروری امور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ضروری معروضات

ہم نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھر کر ایک خاص چیز محسوس کی ہے اور اپنے
اس احساس کو غالباً اپنی دوسری تقریر سیرت میں ذکر بھی کیا ہے۔ میں نے کوئی مقام
ایسا نہیں پایا جہاں کے مسلمان قرآن اور حدیث کے سمجھنے اور ان کے صحیح
مفہوم کو معلوم کرنے کا ذوق نہ رکھتے ہوں۔ ہر چند کہ جاہل واعظوں اور جاہل
میلاد خوانوں نے بڑی حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کا صحیح ذوق بگاڑ دیا ہے
اور ان کو چند جھوٹی کرامتوں اور چند مبالغہ آمیز معجزوں میں الجھا کر رکھ دیا ہے
لیکن باوجود ان جاہل میلاد خوانوں کی تباہ کاریوں کے پھر بھی عوام میں ایک
جذبہ موجود ہے۔ جو ان کی سعادتمند روحیں قرآن شریف کو سمجھنے اور احادیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب معلوم کرنے کے لئے بے چین اور مضطرب
ہیں۔ مجھے ہندوستان کے بیشتر مقامات میں تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے
شہروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ میں نے قصبات اور دیہات تک میں مسلمانوں کی
سعید روحوں کو تشنہ پایا ہے۔ جب ان کے سامنے قرآن پڑھ کر قرآن کو عام
زبان میں سمجھایا ہے تب ہی ان کی آنکھوں میں شوق اور عشق کے والہانہ
انداز کو نمایاں دیکھا ہے۔ اس کا تجربہ میں نے ایک دو دن نہیں، بلکہ سالہا سال کیا
ہے۔ آج ہندوستان میں جنت کی کنجی اور دوزخ کے کھٹکے کی عام مقبولیت
اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات
طیبات کو سمجھنے کے لئے کس قدر چشم براہ ہیں۔

مسلمانوں کے ان جذبات کو میں محسوس کرتا تھا اور مجھے انہی باتوں نے اس
امر پر مجبور کیا کہ میں قرآن شریف کا ایک ایسا سہل اور عام فہم ترجمہ کروں۔ اور ایک

ایسی آسان مگر مختصر تفسیر لکھوں، جس سے قرآن کا نفس مطلب ہر شخص کی سمجھ میں آجائے، اور موجودہ تراجم میں جس اُلجھاؤ کی اُن کو شکایت ہے وہ باقی نہ رہے۔

ترجمہ ایسا ہو جس سے عام و خاص دونوں قسم کے مسلمان فائدہ اُٹھا سکیں۔ اگرچہ مجھے اس قسم کے ترجمہ کا ایک عرصہ سے خیال تھا۔ لیکن کُلُّ اَمْرٍ مَّرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا (ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے) سیاسی زندگی میں بھی میں بعض حدیث کی کتابوں کا ترجمہ کرتا رہا۔ لیکن قرآن شریف کا معاملہ ایسا نہ تھا۔ جو دوسرے مشاغل کے ساتھ نبھ سکتا۔ بار بار میرا دل یکسوئی کو تلاش کرتا تھا۔ لیکن سیاسی پلیٹ فارم کی ہنگامہ آرائیوں، اور سیاسی زندگی کی ذمہ داریوں سے نجات میسر نہ آتی تھی۔ آخر کار حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنی رحمت سے ایسے اسباب پیدا کئے جن سے میری سیاسی ذمہ داریوں میں کمی ہوئی۔ اور بیس سال کے بعد زندگی کی پابندیاں ڈھیلی ہوئیں۔

الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ ان اسباب کے پیدا ہوتے ہی میں نے فرصت کے ابتدائی لمحات میں اس کام پر توجہ کی اور خدا کی توفیق سے کام شروع کر دیا۔

۲۔ جسقدر تراجم اس وقت اُردو زبان میں رائج ہیں۔ اُن میں سے تین ترجمے یقیناً بہت ہی معتبر ہیں۔ کاش اُن کی زبان بھی اس وقت سمجھی جاتی۔ ان تینوں ترجموں میں سے میرے نزدیک بالکل تحت اللفظ ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ حضرت حجۃ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا ترجمہ ہے۔ کہیں کہیں تھوڑا سا فرق کیا گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے جو بامحاورہ اور سہل ہے۔ لیکن بڑی حد تک یہ ترجمہ بھی تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے عام فہم نہیں ہے۔ نیز اُردو زبان اس قدر بلند ہو گئی ہے کہ اب اس ترجمہ کا

سمجھنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔ اگرچہ وہ اس قدر بہترین ترجمہ ہے اور اس میں لفظی اور
معنوی اسقدر رعائتیں ہیں کہ اُس کی خوبی بیان نہیں کی جاسکتی۔ اس ترجمہ میں
اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں ایک فرق تو نمایاں ہی
ہے کہ ایک ان میں سے بالکل تحت اللفظ ہے، اور ایک بامحاورہ اور سہل ہے۔
لیکن اسکے علاوہ اور بھی فرق ہے۔ ایک بھائی نے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب
رحمتہ علیہ کے الفاظ کی خاص طور پر رعایت کی ہے۔

اور ایک اور بھائی نے بعض دوسرے مفسرین کی رائے کو اختیار کیا ہے یوں
سمجھنا چاہیئے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک قول کو ایک بھائی نے اور دوسری قول
کو دوسرے بھائی نے ترجیح دی ہے۔ تیسرا ترجمہ حضرت استادی، مرشدی،
مولائی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ جو بڑی احتیاط اور محنت کے
ساتھ لکھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ عبدالقادر
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو تھوڑا سا روشن کر دیا ہے، اور بعض بعض الفاظ
کو بہت ہی احتیاط کے ساتھ بدلا ہے۔ اس لئے اس ترجمہ سے بھی وہ مقصد
پورا نہیں ہوا جس کے مسلمان متلاشی تھے۔

ضرورت اس امر کی تھی، کہ زبان کو اتنا بلند کیا جاتا کہ وہ موجودہ سطح پر آجاتی
اور قرآن شریف کا ترجمہ اُس طبقہ کیلئے مفید ہوتا جس کو مسلمانوں میں آج کل
تعلیم یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ میرے پیش نظر جو بات ہے۔ وہ یہی ہے کہ میں
ترجمہ کی زبان کو بلند کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ بھی اس قدر نہیں کہ عام لوگوں کے
قابو سے باہر ہو جائے۔ اگرچہ تعلیم یافتہ طبقہ کو ہی قرآن سمجھانا۔ میرا مقصد
عظیم ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ معمولی پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی میں نے نظر انداز
نہیں کیا ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا تین ترجموں کے علاوہ اور بھی تراجم کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے جو تحت اللفظ ہیں۔ اُن میں تو وہی دشواری موجود ہے۔ جو میں نے عرض کی اور ان کے علاوہ جو تحت اللفظ نہیں ہیں۔ اُن کو بجائے ترجمہ کے حاصل ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بعض مواقع پر ترجمہ سے بہت دور چلے گئے ہیں بعض زبان کی شگفتگی اور محاورات کی دوڑ میں اتنے آگے نکل گئے کہ قرآن کے صحیح مفہوم ہی سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اور بعض حضرات نے زبان کا زور اس قدر نمایاں کیا کہ پڑھنے والے کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ قرآن کا ترجمہ پڑھ رہا ہے یا کسی اُردو کے بہت بڑے ادیب کی تصنیف کا مطالعہ کر رہا ہے۔

میری خواہش یہ ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ خواہ تحت اللفظ نہ ہو لیکن قرآنی ترکیب اور قرآنی بندش کو بالکل نظر انداز نہ کر دیا جائے۔ پڑھنے والا مفہوم کو سمجھ لے لیکن اُس کو یہ ضرور محسوس ہو کہ وہ قرآن کا ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ کوئی اُردو کی مستقل ادبی کتاب اس کے زیر مطالعہ نہیں ہے۔

۴۔ جہاں تک تحت اللفظ ترجمہ کا سوال ہے اس کے متعلق تجربہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اور جس، پابندی اور احتیاط کے ساتھ ہر لفظ کے نیچے ہر لفظ کا ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ اُس طرح نہ تو کوئی ترجمہ کر سکتا ہے اور نہ موجودہ دور میں اس قسم کا ترجمہ بجز علماء کے کسی کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اور نہ کسی اور مروجہ زبان کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں اس رعایت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ وہ مفید ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کے علاوہ دوسری عربی یا فارسی کتابوں کے ترجمہ کرنے والے اس امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ

محض مفہوم ادا کر دیں اور کتاب کے مطلب کو سمجھا دیں۔ اس لئے اکثر وہ مترجم جو مختلف زبانوں کے مترجم ہیں بڑی بیباکی سے ترجمہ کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض کے تراجم بہت پسند کئے جاتے ہیں۔ لیکن کلام الٰہی کا معاملہ عام زبانوں کے تراجم سے بالکل مختلف ہے۔ اوّل تو کلام الٰہی کی فصاحت و بلاغت اور اس کا ادب اسقدر بلند ہے کہ جسقدر حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات بالا و برتر ہے۔ اسی قدر اس کا کلام بھی بالاتر ہے۔ پھر یہ کہ خدا کا کلام اور مذہبی کتاب اگر کسی عرب کی عربی ہو تو قدیم یا جدید لغت سے مطلب سمجھ لیا جائے یہاں جب تک لغت کے ساتھ شرعی اصطلاح معلوم نہ ہو ترجمہ کرنے والا نہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ ترجمہ کر سکتا ہے۔

نیز چونکہ قرآن توریت کی طرح ایک دفعہ نازل نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔ اسلئے تیئیس ۲۳ سال کے واقعات کا تعلق بھی قرآن کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ اگر کوئی شان نزول سے واقف نہیں ہے۔ اور اس کو یہ نہیں معلوم کہ یہ آیت کس موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔ وہ بھی قرآن شریف کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مفسرین کا یہ قول مشہور ہے کہ کسی مورد کے خاص ہونے سے حکم خاص نہیں ہو سکتا۔ لیکن آیت کے موقعہ نزول کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور ترجمہ کرنے والا تو کسی طرح شان نزول سے چشم پوشی کر ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح آیات محکمات اور متشابہات مجمل اور مفسر کا معاملہ ہے۔ پھر ان سب کے علاوہ علماء مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو ترجمہ کرتے وقت پیش نظر ہونے ضروری ہیں اور نہ صرف پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔ بلکہ ترجمہ کرنے والے ہیں یہ سلیقہ بھی ہونا چاہیئے۔ کہ کون سا قول راجح اور کونسا قول مرجوح ہے۔ یہی وہ امور ہیں جس سے

قرآن شریف کے ترجمہ اس کی تفسیر کو تمام دُنیا کی کتابوں کے تراجم سے مشکل کر دیا ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے اور صاحب اتقان نے اصول تفسیر پر سیر حاصل بحث کی ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پڑھنے کے بعد قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے خاندان اور متعلقین کے علاوہ بہت کم حضرات نے قرآن کے ترجمہ کی ہمت کی اور بات بھی یہ ہے کہ اس راہ میں جو پگ ڈنڈی اور بیٹا وہ بزرگ بنا گئے تھے۔ جو لوگ اس پر چلے وہ محفوظ رہے اور جو اُن بزرگوں کی راہ سے بے راہ ہوئے وہ صحیح مقصد اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

۵۔ ایسی حالت میں کہ جب قرآن شریف کا ترجمہ کرتے وقت تحت اللفظ ترجمہ کی رعایت نہ کیجائے تو ترجمہ کا کام سہل ہو جاتا ہے۔ اور قرآن شریف کا مطلب سمجھانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی سی گنجائش پیدا کی اور اُن کا ترجمہ یقیناً حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے نسبتاً زیادہ سہل ہے۔ اگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی سی اور وسعت اختیار فرماتے تو اسقدر جلدی مسلمانوں کو مشکلات نہ پیدا ہوتیں۔ نیز اگر اس وقت کے محاورے اور ڈیڑھ سو سال پہلے کی زبان مسلمانوں کا ساتھ دیتی تب بھی اتنی جلدی دشواری پیش نہ آتی۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کی شدید احتیاط اور اُردو زبان کی تیز رفتاری یہ دو باتیں ایسی ہوئیں جس نے عوام کو قرآن کا مطلب سمجھنے سے محروم کر دیا۔ اگرچہ باوجود احتیاط کے شاہ صاحب کے ترجمہ میں مجہول کا معروف اور معروف کا مجہول بلکہ فاعل کا مفعول اور مفعول کا فاعل ہو گیا ہے۔ اور اسکی وجہ

حاشا و کلّا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسامحت یا عدم تدبّر نہیں ہے بلکہ اُردو زبان کی بے بسی اور اس کی ترکیب، اور اس کی بندش کا قصور ہے۔ نیز ترجمہ کو عام فہم بنانے کی کوشش، ان دو باتوں نے حضرت شاہ صاحب کو ان امور پر مجبور کر دیا۔ مثلاً وکفی باللہ شہیداً کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب یوں فرماتے ہیں۔ اللہ بس ہے گواہی کو۔ حالانکہ تمیز کا یہ ترجمہ نہیں ہے۔ لیکن تمیز کی رعایت رکھی جائے تو ترجمہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یہ دشواریاں حضرت شاہ صاحب کے پیش نظر تھیں، اس لئے بعض مقامات پر ذرا وسعت سے کام لیا گیا ہے بہر حال حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قریب رکھ کر پڑھئے تو ترجمے کی تبدیلیاں میں حضرت شاہ صاحب کی یہ باتیں نمایاں معلوم ہو جائیں گی۔ اگرچہ عوام اس فرق کو محسوس نہیں کرتے۔ لیکن حضرات اہل علم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجموں کا فرق خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اگرچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ توجہ الفاظ کی تبدیلی پر مبذول فرمائی ہے۔ اور اس قسم کی تبدیلیوں پر توجہ کم کی ہے۔ لیکن پھر بھی دونوں ترجموں میں ایک خاص فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں کہیں عبارت کا ربط قائم کرنے کی غرض سے بعض مقدرات کا بھی ترجمہ کر دیا ہے اور المقدر کالملفوظ پر عمل کیا ہے۔ قرآن میں ایک لفظ مذکور نہ ہو۔ بلکہ مقدر اور محذوف ہو، اور اس محذوف اور مقدر کا ترجمہ کسی ضرورت سے بین السطور کر دیا جائے۔ یہ چیز بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں کہیں کہیں موجود ہے۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جو ایک مترجم کے لئے بشرطیکہ وہ ترجمہ کو عام فہم کرنا چاہتا ہو ناگزیر ہیں۔ بلکہ یہ محذوف کا ترجمہ بہت ہی کمی کے ساتھ کہیں کہیں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں بھی مل

جاتا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ میں تو اس قسم کے مقدرات کا ترجمہ بکثرت موجود ہے۔

۶۔ اپنے اکابر میں سے آخری ترجمہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ہے۔ حضرت تھانوی کا ترجمہ اور تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے موسوم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تحقیق اور تفتیش کے ساتھ ذخیرہ مرتب کیا ہے، اور چونکہ یہ ترجمہ بہت بعد میں ہوا ہے۔ اس لئے جو بات محاورے کی یا مجہول کو معروف اور معروف کو مجہول کی اور مقدر کو ملفوظ کی بات حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کمی کے ساتھ تھی، وہ حضرت تھانوی کے ترجمہ میں بکثرت ہے۔ مثلاً متاعٌ قلیلٌ کا ترجمہ حضرت تھانوی نے چند روزہ بہار کیا ہے۔ اور لو تسوی بھم الارض کا ترجمہ کاش ہم زمین کا پیوند ہو جائیں کیا ہے۔ چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عام طور سے ماخذ روح المعانی ہے۔ اس لئے اکثر مقامات پر حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ کی تحقیق کو چھوڑ دیا ہے۔ کہیں کہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذوق کو بھی اختیار کیا ہے۔

بہر حال حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ترجمہ کو مجموعی حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس دور کا بہترین اور مستند اور قابل اعتماد ترجمہ ہے۔ کاش اسکی اردو سہل ہوتی۔ پھر دشواری یہ ہے کہ بریکٹ ملا کر پڑھئے تو نئی اُلجھنیں پیش آجاتی ہیں، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت تھانوی کا ترجمہ اور تفسیر حضرات اہل علم کے لئے جس قدر مفید اور سود مند ہے۔ اس قدر عام مسلمانوں کیلئے فائدہ مند نہیں ہے۔ یہ مختصر روداد ہیں صرف اُن تراجم کی عرض کی ہے۔ جن تراجم کا اپنے حضرات اور اپنے اکابر سے تعلق ہے۔ ورنہ اس وقت بہت سے تراجم رائج

اور موجود ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ اُن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ دشواری سب میں مشترک ہے۔ کہ عوام پڑھے لکھے صرف ترجمہ کو پڑھ کر کوئی مطلب نہیں سمجھ سکتے اور جس کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے وہ قرآن کا ترجمہ نہیں ہے اس طرح خدا کا کلام اردو میں ایک چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ بہرحال مجھے اس وقت عام تراجم پر روشنی ڈالنی نہیں ہے، اور نہ مروجہ تراجم پر بحث کرنی ہے میرا مقصد صرف ایک ہی بات عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ میرے لئے ترجمہ کی کیا چیز محرک ہوئی۔ اور میں ترجمہ میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہتا ہوں۔

۷۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ میں نے اس دور میں جہاں گمراہی اور الحاد اور دین الٰہی کا استہزاء اور مسلمانوں میں شریعت سے بے پروائی کا مرض دیکھا ہے۔ اسی طرح بکثرت ایسی سعادت مند روحوں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ جو کلام الٰہی اور احادیث رسالت پناہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے بے چین اور تشنہ لب ہیں۔ اور بحمداللہ وہ متقدمین کی تحقیقات پر مطمئن ہیں۔ وہ قرآن شریف کو اسی نقطۂ نگاہ سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ جو صحابہ اور تابعین کا نقطۂ نگاہ تھا۔ وہ سعادتمند لوگ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ انکو مذہب کی روشنی سے مستفید ہونے کا موقعہ دیا جائے۔ وہ نئی تعلیم۔ نئی تہذیب، اور نئے تمدن سے مسرت محسوس نہیں کرتے، وہ جانتے ہیں کہ اُن کی پاکیزہ روحوں کو اس نئی تہذیب کے ذریعہ تاریکی میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کو انہیں ایسی زبان میں سمجھایا جائے جس کو وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ یہی وہ حالات اور تاثرات تھے۔ جنہوں نے مجھ کو اس امر پر مجبور کیا کہ میں توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کروں۔ چونکہ یہ کام تنہا میرے بس کا نہ تھا۔ اسلئے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اپنے اُن دوستوں کو جو مجھے جانتے ہیں اور میری تیس سالہ زندگی سے

واقف ہیں اُن کو بھی اپنے ساتھ شریک کروں، اور پھر اُن مسلمانوں کو بھی دعوت دوں جو اس کام سے ہمدردی رکھتے ہوں، اور میری طرح اس کام کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے جب میں نے ان مُبادیات پر عبور حاصل کر لیا اور ایک جماعت معاونین کی اور ہمدردوں کی مجھے میسر آگئی تو میں نے غور کیا کہ اس کام کو کس طرح شروع کیا جائے۔ اور قرآن شریف کے بہت سے تراجم کی موجودگی میں وہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے قرآن کے معانی اور مطالب کو عوام اور خواص کیلئے سہل اور آسان بنایا جا سکے، بعض حضرات نے بہت سے بریکٹ بڑھا بڑھا کر قرآن کے ترجمہ میں سہولت پیدا کرنے کی سعی کی تھی لیکن وہ سعی بھی ناکام ہوئی۔ کیونکہ اول تو بریکٹ کی حفاظت بہت مشکل ہے طباعت میں خطوطِ وحدانی کا قائم رہنا بہت دشوار ہے۔ پھر پڑھنے والا یہ سوچتا رہتا ہے کہ قرآن کا ترجمہ تو یہ ہے جو بریکٹ سے باہر ہے اور بریکٹ میں جو کچھ ہے وہ مترجم کا اضافہ ہے پھر کبھی بریکٹ سے علیحدہ کر کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی بریکٹ کو ملا کر مطلب سمجھنے کی سعی کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کام آسانی کی غرض سے کیا گیا تھا وہی دشواری کا موجب بن کر رہ جاتا ہے غرض کہیں پورے پارے میں ایک دو جگہ بریکٹ ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ جیسے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں کہیں کہیں بریکٹ آگیا ہے۔ لیکن ایک ایک سطر میں کئی کئی بریکٹ! یہ طریقہ عوام کے لئے مفید ثابت نہیں ہوا۔ یہ طریقہ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد اور لوگوں نے مختلف پہلوؤں سے اس کی نقل کی یہ طریقہ ابتداء میں بہت مقبول ہوا۔ لیکن آخر بریکٹوں کی کثرت اس طریقے کی ناکامی کا سبب ہوئی۔ البتہ اگر ربط کی غرض سے کوئی ایسی عبارت بڑھائی جائے جس کے لئے قرآن میں نہ کوئی مرجع ہو نہ کوئی لفظ مقدر ہو، نہ کوئی شرط ہو نہ کسی شرط کی جزا

ہو تو ایسے موقع پر اگر عبارت کو خطوطِ وحدانی کے درمیان لکھدیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ بہرحال تمام اُمور پر غور کرنے کے بعد جو راہ میں نے اختیار کی ہے وہ ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

(الف) میں نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ فاعل اور مفعول کی تمام ضمیروں کا ترجمہ بجائے اُس نے اور اُسپر۔ اور اسکو کرنیکے ضمیر کا اصلی مرجع ظاہر کر دیا ہے۔ ہاں اگر کوئی مرجع بہت قریب ہوا اور پڑھنے والے کا ذہن آسانی سے اُدھر منتقل ہو سکا تو وہاں میں نے بھی متقدمین کا طرز اختیار کر لیا ہے۔

(ب) ترجمہ کی ترکیب عربی کی لفظی ترتیب کی رعایت سے نہیں کی بلکہ اُردو ترکیب کی رعایت سے کی ہے۔ مثلاً عربی میں جزا مقدم اور شرط موخر ہو تو میں ترجمہ میں شرط کو مقدم اور جزا کو موخر لکھونگا۔

(ج) جو مفعول یا حال یا جزا وغیرہ مقدر ہو۔ بشرطیکہ وہ مقدر معین ہو یعنی مفسرین کے اُس میں مختلف اقوال نہ ہوں تو میں اُس مقدر کو بھی ترجمہ میں ظاہر کر دونگا۔

(د) اگر اس تفصیل کے باوجود بھی کسی لفظ کو واضح کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہوں تو یعنی کہکے اُس کو واضح کر دیتا ہوں، اور یہ طریقہ حضرت مولٰنا شاہ رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے ترجمہ میں کہیں کہیں اختیار کیا ہے۔ جیساکہ سورۃ ہود میں رحمت کے آگے یعنی نبوت بڑھا دیا ہے۔

(ہ) میں نے عام طور سے یعنی کا استعمال آیت کے ختم پر کیا ہے کہیں مجبوراً ترجمہ کے درمیان میں بھی لفظ یعنی سے مدد لی ہے۔

(و) ربط اگر کہیں کسی مختصر لفظ سے میسر آسکا تو اُسکو میں نے بڑھا دیا مثلاً کہا گیا۔ ارشاد ہوا، اور اس مختصر سے ربط کیلئے میں نے بریکٹ کا اہتمام نہیں کیا۔

البتہ اگر کہیں طویل عبارت کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُس عبارت کو یا تو حاشیہ کے لئے چھوڑ دیا، یا اُس عبارت کو بریکٹ میں لے لیا۔

(ز) اختلاف مطالب یا اختلاف ضمائر کے موقعہ پر عام طور سے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں پھر حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے قول کو پھر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح اور حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں۔ پھر رئیس المحققین راس المتاخرین حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی تحقیق کو اختیار کرتا ہوں بعض مقامات ایسے ضروری ہیں۔ جہاں میں نے اکابر کے اقوال مختلفہ میں سے حضرت تھانوی کی تحقیق کو اختیار کر لیا ہے۔ لیکن عام طور سے حضراتِ ثلاثہ یعنی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق و ترجیح دیتا ہوں، بلکہ جہاں تک ہوسکتا ہے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ کے الفاظ کو بھی ترک نہیں کرتا، بشرطیکہ وہ غیر مانوس نہ ہوں۔ جو حضرات میرے ترجمہ کو پڑھتے وقت کوئی اختلاف محسوس کریں تو وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے بیان القرآن کو ضرور ملاحظہ کر لیا کریں۔ میں آخر میں پھر یہ عرض کردوں کہ میں نے صرف اپنے اکابر کے الفاظ کو واضح اور صاف کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ میری جرأت و ہمت ہے اور نہ میں اُن حضرات سے زیادہ تحقیق کے قابل ہوں

بہر حال میری گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے صرف حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اُردو کو مروجہ اُردو میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن کے الفاظ کی رعایت رکھتے ہوئے چونکہ میں نے یہ تبدیلی کی ہے۔ اس لئے بعض جگہ

میری عبارت بھی پُرانی اردو سے ملتی جلتی سی ہوگئی ہے۔ لیکن بہر حال مطلب انشاء اللہ سمجھ میں آسکے گا۔ میں نے بلاوجہ مسلسل عبارت کی کوشش نہیں کی ہے۔ اس کام کو میں نے تفسیر کے لئے چھوڑ دیا ہے بین السطور مسلسل عبارت کا لکھنا یا اس کی کوشش کرنا تکلفات سے خالی نہ تھا۔

میرا ترجمہ اور ترجمہ کے الفاظ یا تحقیقات کا مرجع اپنے ان پانچ بزرگوں کا ترجمہ اور اُن کی تحقیقات ہوگا۔ یعنی حضرت حجۃ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ رح حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ، حضرت استاذی و مرشدی مولانا محمود الحسن صاحبؒ، حضرت تھانوی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ میں اپنے ان اکابر کی اُردو کو محض صاف، سلیس اور شُستہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ قرآن کے مطالب عام طور سے مسلمان سمجھ سکیں۔ ترجمہ کے علاوہ اگر مجھے کچھ عرض کرنا ہوگا۔ تو انشاء اللہ اُس تفسیر میں عرض کرونگا جو حاشیہ پر ہوگی یا علیحدہ طبع کی جائے گی۔ آخر میں مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کریں کہ وہ میری سعی کو مشکور اور مقبول فرمائے، اور اس ترجمہ کو میرے لئے نجات اُخروی کا سبب بنائے۔

ایک اور بات

بین السطور ترجمہ کے علاوہ میں ایک اور ترجمہ بھی اسی کے ساتھ حاصل ترجمہ کے نام سے کرونگا۔ جو حاشیہ پر ہوگا، یہ حاصل ترجمہ میرے بین السطور ترجمہ کا حاصل ترجمہ ہوگا۔ اس حاصل ترجمہ کے بعد مگر اُسی کے نیچے انشاء اللہ تعالیٰ مختصر اور آسان تفسیر ہوگی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

فقیر احمد سعید کان اللہ

اہلِ بیت کے قافلہ کی دمشق سے واپسی

سیّدہ زینبؓ کی روضۂ رسولؐ پر حاضری

ناناجان! میں لٹ گئی، میں تباہ و برباد ہو گئی، میں مدینہ سے بھری بھری گئی تھی۔ لیکن اب سب کچھ لٹا کر لوٹی ہوں سارے ہرے بھرے چمن کو اپنی آنکھوں سے لٹتا ہوا دیکھ کر آئی ہوں۔

اچھی میرے نانا! میں کیا کروں۔ آیا میں کیا کروں۔ ہائے میں مر گئی میرے ملجا! میرے ماوا! میرے دکھ کے سہارے! اچھی مجھے بتاؤ تو میں کیا کروں۔ نانا! مجھ بدنصیب دکھیاری نے اہلبیت کے سارے کنبہ کو بھوکا پیاسا خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا ہے۔ مجھ کمبخت نے آپ کی اہل بیت کے زخمیوں کی لاشوں کو گھوڑوں سے کچلتا ہوا دیکھا ہے۔ مجھ مصیبت زدہ نے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کے سروں کو نیزہ پر دیکھا ہے۔

میرے نانا! میں آپ کے اس چمن کو جس کی حفاظت آپ نے اپنی اُمّت کے سپرد فرمائی تھی آپ ہی کی اُمّت کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھ کر آ رہی ہوں۔

آپ کی اُمّت اور آپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے آپ کی عترت کے چمنستان کو ایسی بیدردی سے گندلی، سفاکی اور وحشت و بربریت

سے پامال کیا ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔

نانا جان! آپ کا حسین! وہ حسین جس کو آپ اپنی پشتِ مبارک پر سوار کرتے ہوئے نعم الراکب فرمایا کرتے تھے اس کو آپ کی امت نے سخت بیرحمی سے تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کر دیا۔

وہ حسینؑ جس کو آپ گرتے سے اُٹھا ہوا دیکھ کر ممبر سے اُتر آیا کرتے تھے، اور خطبہ کے لیے کھڑے ہو کر تے تھے، اُسی حسین کو اہل شام نے کربلا کے ریتیلے میدان اور تپتے ہوئے میدان میں نماز کی حالت میں شہید کیا اور عین اُسوقت شہید کیا جبکہ مساجد میں جمعہ کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔

وہ حسینؑ جس کو بارہا آپ نے لوریاں دے دیکر اپنے سینۂ مبارک پر سلایا تھا اُسی حسینؑ کے سینے کو تیروں سے زخمی کیا گیا۔ اُسی حسینؑ پر اسکے ننھے معصوم بچوں پر اُسکے رفقاء پر اور اسکی بے گناہ بیویوں اور بہنوں پر دریائے فرات کا پانی روک دیا گیا تھا۔ اور اُسکے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایسی حالت میں جبکہ شدت پیاس سے اُنکی زبانیں منہ سے نکلی پڑتی تھیں اُسی حسینؑ کی آنکھوں کے سامنے تلواروں کی دھاروں سے بھالوں کی نوکوں سے اور برچھیوں اور تیروں سے زخمی کیا گیا اور ذبح کر ڈالا گیا۔

وہی حسینؑ جس کو آپ بضعۃ منی فرمایا کرتے تھے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور اُسکے جسم اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا۔

نانا جان! وہ حسینؑ جسکے متعلق آپ نے فرمایا تھا۔ من اذا فقد اذانی اُس بیگناہ پر اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ کوئی ظلم اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ جب وہ اپنے شیر خوار اور معصوم تین دن کے پیاسے بچے علی اصغر کے لئے پانی مانگنے کو خیمہ سے نکلا اور اُس نے ننھے سے بچے کے خشک ہونٹ دکھا کر اور آپکی صاحبزادی بتول الزہرا کا واسطہ دے کر پانی مانگا تو ظالموں نے تیروں سے

جواب دیا اور معصوم علی اصغر کو حسینؑ کی گود میں موت کے گھاٹ اُتار دیا اور آپ کے حسینؑ کا بازو بھی زخمی کر دیا گیا۔

وہ حسینؑ جس کو جوانانِ جنت کا سردار فرمایا کرتے تھے، اس حسینؑ کے نوجوان اٹھارہ سالہ بچے علی اکبر کو کربلا کے میدان میں قتل کر دیا اور جب علی اکبر نے زخمی ہو کر اپنے باپ کو پکارا اور حسینؑ اپنے جوان بیٹے کی لاش کو اُٹھانے کے لئے تو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اس سفاکی سے تیر چلائے کہ علی اکبر کی لاش اور حسینؑ کے جسم کو زخمی کر دیا۔

نانا جان! وہ حسینؑ جس میں آپ کو جنت کے پھولوں کی خوشبو آتی تھی آپ کے اس پھول کو آپ کے اس گلاب کو خون آشام شاہیوں نے مسل ڈالا تیز دھوپ اور تپتی ہوئی ریت میں اس کے زخمی اور مجروح جسم کو بے آب و دانہ ڈال دیا۔ اس پر بھی ظالموں کی سفاکی ختم نہ ہوئی۔ بلکہ شمر نے خنجر سے تین دن کے پیاسے حسینؑ کا گلا کاٹا۔ اور ابن زیاد کے حکم سے اُس کی بیجان لاش کی بے حرمتی کی گئی۔ اور گھوڑوں سے آپ کے نواسے کی لاش کچل وائی گئی۔

جس حسینؑ کے ہونٹوں کو آپ مسرت و انبساط سے بوسے دیا کرتے تھے، اُن مبارک ہونٹوں پہ پانی حرام کیا گیا۔ اور بھرے دربار میں اُس کے نازک مگر خشک ہونٹوں چھڑیاں ماری گئیں۔ اور دشمن ان تمام حیا سوز اور شرمناک حرکتوں پر ہنستے اور خوش ہوتے رہے۔

نانا جان! دشمن تو خاکم بدہن آپ کی نسل ہی منقطع کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ عابد کو بھی شہید کر دیں، اور ایک دفعہ تو ظالموں نے عابد کے قتل کا ارادہ ہی کر لیا تھا۔ لیکن میں دوڑ کر عابد کو لپٹ گئی۔ اور میں نے یزید سے کہا کہ اگر گلستانِ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے اس آخری پودے

کو اگر ہاتھ لگایا تو میں ابھی نانا جان کو پکارتی ہوں اور یاد رکھو اگر میرے نانا میری فریاد کو پہنچے تو پھر خیر نہ ہوگی، میری اس دھمکی سے، وہ مرعوب ہو گیا، اور آپ کی دُھائی کے خوف سے عابد کی جان بچ گئی۔

میرے نانا۔ آپ کی نواسیوں کو آپ کی بہوؤں کو قیدی بنا کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا عابد بیمار کے ہاتھ ہتھکڑیوں سے جکڑے گئے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ اسکو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا گیا۔ اور راہ میں بار بار اس بیمار کو پیدل چلنے پہ مجبور کیا گیا۔

حرم کو بدون ہودج کے کربلا سے شام تک لے گئے۔

حسینؑ اور حسینؑ کے رفقاء کے سروں کو نیزوں میں لٹکا کر جلوس نکالا گیا فتح کے نقارے بجائے گئے۔

میرے نانا میرے آقا میرے مولا۔ اے بیکسوں کے فریاد رس، اے مظلوموں کے حامی و ناصر، اے مفلسوں اور محتاجوں کے والی، اے بیواؤں اور یتیموں کے ملجا۔ اپنی زینب پر کرم فرمایئے۔ زینب غمزدہ! زینب مصیبت زدہ۔ زینب دکھیاری زینب ستم رسیدہ۔ زینب آپکی پیاری صاحبزادی فاطمہ زہرا کی بیٹی، زینب کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی یادگار۔ زینب کی ماوری کیجئے۔

اچھی میرے نانا! اپنی آرامگاہ سے ہاتھ نکالیے اور اپنی زینب کو آغوش رحمت میں لیکر چھپا لیجئے کہ میں اپنی زندگی سے تنگ آ چکی ہوں، مجھے اپنی ہی گود میں سلا لیجئے۔ مجھے اپنی ہی آرامگاہ میں دفن کر لیجئے، اور اس دار فانی سے ہمیشہ کیلئے معدوم کر دیجئے، کیونکہ زینب اس حیات مستعار سے بیزار ہو چکی ہے۔

اچھی میرے نانا۔ مجھے میری اماں فاطمہؑ اور میرے بھائی حسینؑ کے پاس پہنچا دیجئے کہ اب، انکی جدائی ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔"

ہمارے دُعا
کیوں
قبول نہیں ہوتی

آج کل عام طور سے مسلمانوں کو شکایت ہے کہ جب ہم کوئی دعا مانگتے ہیں۔ تو اسکی قبولیت کے آثار ہمیں نہیں معلوم ہوتے اور جس چیز کو ہم طلب کرتے ہیں۔ وہ نہیں ملتی، حالانکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ (تم مجھے پکارو اور مجھ سے دُعا مانگو میں تمہاری دُعا قبول کرونگا) یہ اس شُبہ کا خلاصہ ہے جو آج کل اکثر لوگوں کو پیش آیا کرتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں میں ایک طبقہ بد قسمتی سے ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جو دُعا کو محض لغو اور بیکار چیز سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دُعا ایک طفل تسلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور دُعا کا کوئی اثر قضا و قدر کے فیصلوں پر نہیں پڑ سکتا۔ ہمیں اسوقت اس طبقہ سے نہ تو بحث کرنی ہے۔ اور نہ یہ مختصر مضمون اس بحث کا متحمل ہے۔ انشاء اللہ کسی آیندہ اشاعت میں ہم اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ جس سے ان لوگوں کی مذہبی ناواقفیت ...... ان کے دلائل کا دہن اور ان کی کج فہمی کا راز طشت از بام ہو جائیگا۔ اسوقت ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ دُعا کس طرح مانگنی چاہیئے۔ دُعا کی قبولیت کے آثار

کیا ہیں۔ وہ کون کون سے موقع ہیں۔ جہاں دُعا قبول ہوتی ہے۔ اور اسی قسم کی بعض چیزیں جو دعا سے متعلق ہیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ تاکہ ہمارے ناظرین خدا سے دُعا کرتے وقت ان امور و شرائط کی پابندی کریں، جو دُعا کے لئے ضروری اور لازم ہیں۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کسی مسلمان کی دُعا۔ (جبکہ وہ جملہ آداب کی رعایت رکھے) رد نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کبھی جو چیز طلب کرتا ہے وہی عنایت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس دُعا کی برکت سے کوئی خاص بلا اور مصیبت جو نازل ہونیوالی تھی وہ رد کر دی جاتی ہے۔ اور کبھی جل مجدہٗ کی مصالح ظاہری آثار مرتب کرنے سے مانع ہوتی ہیں تو اس کی دُعا کے بدلے میں خاص اجر و ثواب محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت میں جب بندہ کو وہ اجر عطا کیا جائیگا۔ جو اسکی درخواستوں اور دُعاؤں کے صلہ میں محفوظ رکھا گیا تھا تو بندہ اس امر کی تمنا کرے گا۔ کہ دُنیا میں میری کسی دُعا کا بھی اثر ظاہر نہیں کیا جاتا تو اچھا ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً جو دعائیں، میں نے خدا سے مانگی تھیں۔ ان سب کا آج کے دن مجھے ثواب ہی عطا کر دیا جاتا۔ پس جب یہ امر ثابت ہے کہ مسلمان کی دعا رد نہیں ہوتی، بلکہ قبول کر لی جاتی ہے تو بعض لوگوں کا دعا کے بعد یہ کہنا کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت حق جل مجدہ کی شان میں سوء ظنی اور حد درجہ کی گستاخی ہے کیونکہ عدم قبولیت کا مطلب تو یہ ہے کہ جو چیز طلب کرتا تھا وہ بھی نہ ملے کوئی بلا جو نازل ہونے والی تھی وہ بھی نہ روکی جائے، اور قیامت میں اجر بھی نہ ملے اور جب ان تینوں باتوں سے کسی ایک کا حصول یقینی ہے۔ تو پھر عدم قبول کا شکوہ نہ صرف لغو بلکہ مذہبی ناواقفیت کی کُھلی ہوئی دلیل ہے

آدابِ دُعاء

۱- دُعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس مال حرام سے نہو، اور اسی طرح اس کا کسب یعنی کمائی بھی حرام کی نہو۔ بلکہ جو پیشہ کرتا ہو وہ پیشہ حلال ہو۔

۲- اخلاص کے ساتھ دُعا مانگی جائے۔ دکھاوے اور ریا سے نہ مانگے۔ خدا کے ساتھ دعا میں کسی کو شریک نہ کرے۔

۳- دعا کرنے سے پہلے کوئی نیک کام کرے مثلاً کچھ صدقہ اور خیرات کر دے یا نماز پڑھ لے۔

۴- پاکیزگی اور تطہر کا خیال رکھنا، اور غسل کا موقع نہ ہو تو کم از کم وضو ہی کر لینا چاہیئے۔

۵- قبلہ کی طرف منہ کر کے اور التحیات کے طریقہ پر بیٹھکر دُعا مانگنا۔

۶- دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا۔

۷- دونوں ہاتھ اُٹھا کر اور ہاتھ کی ہتھیلیاں کھول کر دُعا مانگنا (دونوں ہاتھ اسقدر اونچے کئے جائیں کہ کندھوں اور شانوں کے مقابل ہو جائیں) جسوقت دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے جائیں تو سینے کے قریب نہ کئے جائیں بلکہ سامنے کی سمت میں بڑھے ہوئے ہوں۔

۸- دونوں ہاتھوں کو کھُلا رکھنا یعنی کوئی کپڑا وغیرہ ہاتھوں پر نہو۔ بلکہ کپڑے سے ہاتھوں کو نکال کر دُعا مانگنا۔

۹- دعا میں خشوع و خضوع۔ انتہائی ادب، عاجزی اور مسکینت کی رعایت رکھنا۔

۱۰۔ الحاح یعنی گڑگڑا کر دعا مانگنا۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنے کو یا اپنے کسی نیک کام کو یا انبیاء اور صلحا کو وسیلہ بنانا یعنی دعا میں یہ کہنا کہ یا اللہ میں تیرے کرم اور تیری رحمت کو وسیلہ بناتا ہوں یا اپنے کسی نیک کام کا ذکر کر کے یہ کہنا الٰہی اگر میرا فلاں عمل تیرے نزدیک مقبول ہے تو اس کے وسیلے سے میری یہ دعا قبول فرمالے۔ اسی طرح حضرت انبیا علیہم السلام یا کسی صالح اور بزرگ انسان ..... کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے

۱۲۔ آہستہ اور پست آواز سے مانگنا۔

۱۳۔ دعا میں تکرار کرنا۔ سات بار یا پانچ یا کم از کم تین بار دعا کرنا۔

۱۴۔ دعا سے پہلے اپنے پہلے جرم اور گناہوں کا اعتراف کرنا مثلاً اے اللہ میں بڑا گنہگار ہوں۔

۱۵۔ دعا مانگنے میں قلب سے پوری کوشش کرنا۔ قلب کو متوجہ رکھنا، اور پوری طرح دل لگا کر رغبت اور شوق سے دعا مانگنا۔ اور خدا سے اچھی امید رکھنا۔ عزم کو پختہ اور ارادہ کو مضبوط رکھنا۔

۱۶۔ دعا مانگنے کے بعد آمین کہنا (اگر کوئی امام ہو تو مقتدیوں کو بھی آمین کہنی چاہیئے)

۱۷۔ ہر چھوٹی بڑی حاجت کو خدا ہی سے مانگنا۔

۱۸۔ ایسے الفاظ کے ساتھ دعا مانگنا کہ الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں۔ اور ایسے الفاظ ہوں جو دین و دُنیا کی ضرورتوں کو شامل مثلاً اتنا فی الدنیا الخ

۱۹۔ دعا میں اپنے نفس کو اپنے ماں باپ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو مقدم

کرنا یعنی پہلے ان چیزوں کا دُعا میں ذکر کرنا۔

۲۰۔ دعا کرتے وقت آسمان کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ نگاہ نیچے رکھے، کیونکہ ادب کا مقتضا یہی ہے۔

۲۱۔ دُعا میں قافیہ بندی یا بتکلف قافیہ بندی کی کوشش سے بچنا چاہیئے۔

۲۲۔ دعا میں گانے کا طریقہ اختیار نہ کرے (اس ادب کی سند نہیں ملی)

۲۳۔ گناہ یا قطع رحم کی دُعا نہ مانگے۔

۲۴۔ دُعا میں خدا کی رحمت کو تنگ نہ کرے (مثلاً یوں نہ کہے کہ یا اللہ مجکو روزی دے اور کسی کو نہ دے وغیرہ)۔

۲۵۔ جو چیز عادتاً محال ہو اس کی دعا نہ مانگے۔ (مثلاً مجھے جوان بنا دے یا میں کبھی نہ مروں یا میرا قد چھوٹا ہو جائے یا سورج نہ نکلے وغیرہ

۲۶۔ دُعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے یعنی میں نے دُعا مانگی تھی ابھی تک قبول نہ ہوئی جلدی سے میری دُعا قبول کر اسی طرح یہ بھی نہ کہے کہ میں نے دُعا مانگی تھی وہ دُعا قبول نہ ہوئی۔

۲۷۔ دعا سے فارغ ہونے کے ...... بعد دونوں ہاتھوں کو مُنہ پر پھیرنا۔

مضمون کی طوالت کے باعث ہم نے ان دلائل کو چھوڑ دیا ہے جن سے دعا کے یہ تمام آداب اخذ کیے گئے ہیں۔

اِجابت کے اوقات

۱۔ شب قدر رمضان شریف کی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-اور ۲۹-رات۔

۲۔ یوم عرفہ (ذی الحجہ کی نویں تاریخ)۔

۳۔ شہر رمضان (پورا کا پورا مہینہ)

۴۔ جمعہ کی شب۔

۵۔ جمعہ کا دن۔

۶۔ جمعہ کے دن کی خاص ساعت اس گھڑی کی تعین کے متعلق تقریبًا چالیس قول ہیں۔ زیادہ مشہور اور صحیح دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جسوقت امام خطبہ پڑھنے کیلئے ممبر پر آکر بیٹھے اسوقت سے نماز کا سلام پھیرنے تک خصوصًا جبکہ وہ سورۂ فاتحہ شروع کرے تو والضالین کہنے تک اس ساعت کی زیادہ امید ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک یہ گھڑی ہوتی ہے۔

۷۔ رات میں دعا کرنا بالخصوص آدھی رات کے بعد۔

۸۔ رات کا پہلا تیسرا حصہ یعنی رات کے تین حصے اگر کئے جائیں تو ان میں سے پہلا حصہ اگر رات ۱۲ گھنٹے کی ہو ۶ بجے غروب ہوتا ہو اور چھ بجے طلوع تو رات کے دس بجے تک کا وقت۔

۹۔ رات کا پچھلا تیسرا حصہ ۱۲ گھنٹے کی رات میں ۲ بجے سے ۶ بجے تک۔

۱۰۔ آخری رات کا چھٹا حصہ۔

۱۱۔ صبح صادق کے وقت۔

۱۲۔ نماز کیلئے جب کوئی موذن اذان دے۔ (یعنی اذان کے وقت کوئی شخص اذان سُنکر دُعا مانگے تو قبول ہوتی ہے۔

۱۳۔ اذان اور تکبیر کا درمیانی وقت۔

۱۴۔ تکبیر شروع ہونے کے وقت۔

۱۵۔ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے بعد۔ (خصوصًا اُس شخص کیلئے جو رنج و مصیبت میں مبتلا ہو)

۱۶۔ جہاد کی صف میں جب کوئی شخص کھڑا ہو۔

۱۷- اسلامی لشکر جب کفار سے لڑتے لڑتے مل جائے یعنی جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو۔

۱۸- فرض نماز کے بعد۔

۱۹- سجدے کی حالت میں (یعنی نماز کی حالت میں جب سجدہ کرے)

۲۰- تلاوت قرآن شریف کے بعد۔

۲۱- ختم قرآن کے بعد۔ بالخصوص قاری قرآن کی (یعنی جس حافظ نے قرآن شریف ختم کیا ہے اس کی دعا سننے والے کے اعتبار سے زیادہ مقبول ہے۔

۲۲- جب امام والضالین کہے یہ وقت بھی دعا کی قبولیت کا ہے۔

۲۳- زمزم شریف کا پانی پینے کے وقت۔

۲۴- پچھلی رات میں مرغ کی اذان کے وقت

۲۵- جہاں مسلمان کثرت سے جمع ہوں۔ مثلاً عید۔ جمعہ۔ عرفات

۲۶- مجالس ذکر میں۔

۲۷- مردے کی آنکھ بند کرتے وقت (یعنی جس وقت روح پرواز ہو اور لوگ میت کی آنکھیں اور منہ بند کرنے لگیں۔ یہ وقت بھی دعا کی قبولیت کا ہے) یا مردے کے پاس حاضر ہونے کی حالت میں۔

۲۸- جس وقت بارش ہو رہی ہو۔

۲۹- کعبہ شریف کو دیکھتے وقت۔

وہ مقامات جہاں دعا قبول ہونے کی امید کیجاتی ہے

۱- جو جگہ کسی شرعی اعتبار سے متبرک ہو وہاں بیٹھ کر دعا مانگنے سے قبول ہوتی ہے

۲- مسجد الحرام۔

۳۔ مسجدِ نبویؐ۔
۴۔ مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس کی مسجد)
۵۔ مطاف (یعنی وہ جگہ جہاں حاجی خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔
۶۔ ملتزم (یعنی سنگ اسود اور خانہ کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ کا درمیانی حصّہ
۷۔ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر۔
۸۔ زمزم شریف کے پاس۔
۹۔ صفا اور مروہ کے پہاڑ پر۔
۱۰۔ صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ جسکو سعی کہتے ہیں۔
۱۱۔ مقام ابراہیم کے پیچھے۔
۱۲۔ عرفات! جہاں نویں تاریخ کو حاجی جمع ہوتے ہیں۔
۱۳۔ مزدلفہ (جہاں عرفات سے واپس آکر رات کو قیام کرتے ہیں)۔
۱۴۔ منیٰ (جہاں حج کے بعد تین تک قیام کرتے ہیں)
۱۵۔ جمرات ثلث (وہ تینوں مقامات جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں)
۱۶۔ میزاب رحمت کے نیچے (یعنی کعبہ کی چھت کے پرنالے کے نیچے)
۱۷۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہر و مبارک کے قریب۔
۱۸۔ بین الجلالتین، یعنی سورۂ انعام کی وہ آیت جس میں دو جگہ لفظ اللہ متصل آیا ہے، ایک دفعہ اللہ کہکر دعا مانگنا، اور پھر دوسرے لفظ اللہ کو شروع کرنا۔ ان دونوں ناموں کے درمیان بھی دُعا مانگنا مقبول ہے۔ آیت حسب ذیل ہے مقام دُعا میں فاصلہ کر دیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؐ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

وُہ لوگ جنکی دُعا قبول ہوتی ہے

۱۔ مضطر یعنی انتہائی بے قرار۔

۲۔ مظلوم خواہ یہ مظلوم فاسق وفاجر اور کافر ہی کیوں نہ ہو یعنی مظلوم اگر کافر بھی ہو تو اسکی دعا قبول ہوتی ہے۔ کافروں کی دُعا کے متعلق بعض حضرات کو شبہ ہوا ہے۔ اور اُنہوں نے وما دعاء الکافرین الا فی ضلال سے استدلال بھی کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ایک موقع پر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اس آیت سے نہایت غلط اور شرمناک استدلال کیا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم اسوقت کسی نئی بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے مرزا کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ جس شخص سے حضرت جل مجدہٗ نے عقل سلیم اور فکر صحیح ہی سلب کر لیا ہو اور جس کا علم ہی اس گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو اس کا شکوہ ہی فضول ہے۔ البتہ بعض علماء نے کفار کی دعا کے متعلق جو استدلال کیا ہے اس کا حضرات محققین نے کافی جواب .... دیدیا ہے۔ اور صحیح چیز یہی ہے کہ دعا کفار کی بھی مسموع ہے اور بالخصوص کافر مضطر کی باقی رہا عدم قبولیت فی الآخرۃ تو وہ شئی دیگر ہے۔

۳۔ والد کی دعا اپنی اولاد کے حق میں (علما نے تصریح کی ہے کہ والدہ کی دعا کا بھی یہی حکم ہے) والد کی دعا خواہ اچھی ہے یا بُری اولاد کے حق میں ایسی جیسے نبی کی دُعا اپنی اُمت کے حق میں۔

۴۔ امام عادل اور منصف حاکم (امام عادل اور حاکم سے مُراد مسلمان ہے، اسلیے کہ کافر مسلمانوں کا امام یا حاکم نہیں ہو سکتا الا بالجبر الجوار) بلکہ کافر کو مسلمانوں پر کسی حیثیت سے بھی حق ولایت و حکومت حاصل نہیں ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔

۵۔ صالح اور نیک مرد کی دُعا بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دُعا نہ کرے۔

۶- نیک اور مطیع و فرمانبردار اولاد کی دُعا اپنے ماں باپ کے حق میں۔
۷- مسافر کی دُعا حالت سفر میں (دعا خواہ اپنے لئے ہو یا غیر کے لئے)
۸- روزہ دار کی دُعا افطار کے وقت۔
۹- ایک مسلمان کی دُعا دوسرے مسلمان بھائی کیلئے اسکی غیبت میں (یعنی ایک مسلمان اگر دوسرے مسلمان کو اسکی پیٹھ کے پیچھے دعا دے تو یہ دعا بھی قبول ہوتی ہے) غیبت کی قید شاید اسلئے لگائی گئی کہ یہ دعا مخلصانہ ہوگی سامنے کی دعا میں ریا اور خوشامد کا احتمال ہو سکتا ہے۔
۱۰- ہر مسلمان کی دُعا بشرطیکہ وہ ظلم یا قطع رحم کی دُعا نہ کرے اور دُعا کے بعد یہ بھی نہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہ ہوئی۔
۱۱- توبہ کرنے والے کی دُعا (جو شخص اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے اور توبہ کے بعد کوئی دُعا کرتا ہے تو وہ دعا قبول کر لی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ توبہ میں دیر نہیں لگاتے بلکہ صدور جرم کے ساتھ فوراً ہی توبہ کر لینے کے عادی ہیں، انکی دعا ئیں بھی مقبول ہیں)
۱۲- جو شخص رات کو نیند سے چونک کر یہ دعا پڑھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ یا اس کے علاوہ کوئی اور دُعا کرے تو وہ مقبول ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ چونکنے والا انسان ذرا ہمت کر کے وضو کرلے اور تھوڑی سی نماز پڑھ لے تو یہ نماز بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ سوتے ہوئے آدمی کو کبھی حضرت حق جل مجدہٗ کی جانب سے اسلئے جگایا جاتا ہے کہ بندہ اُٹھکر کچھ عبادت کرلے، اور جب اس غرض کیلئے جگایا گیا تھا اور بندہ نے وہ پوری کر لی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ عبادت قبول نہ کی جائے۔

۱۳- جو شخص یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہکر دُعا مانگتا ہے تو اسکی دُعا قبول ہوتی ہے۔

۱۴- جب کوئی شخص تین بار یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْن کہکر دعا مانگتا ہے تو اس کی دُعا بھی قبول کرلی جاتی ہے۔ تین بار اس کلمہ کو جب کوئی مسلمان کہتا ہے تو فرشتہ اس بندہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔

۱۵- جب کوئی بندہ تین بار خدا سے جنت طلب کرتا ہے تو جنت حق جل مجدہٗ کی بارگاہ میں عرض کرتی ہے اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّۃَ (یا اللہ اسے جنت میں داخل کردے، اور جب کوئی بندہ دوزخ سے تین بار پناہ مانگتا ہے تو دوزخ عرض کرتی ہے اَللّٰھُمَّ اجرہٗ من النار، یا اللہ اس بندہ کو آگ سے بچالے۔

۱۶- حجاج کی دعا جب تک حاجی اپنے گھر لوٹ کر نہ آجائے اسکی دُعا مقبول ہوتی ہے۔

۱۷- جو مسلمان اپنی کسی حاجت کیلئے ذیل کے کلمات پڑھیگا اس کی حاجت پوری کردیجائے گی۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۞ یہ دعا حضرت ذوالنونؑ، یونس علیہ السلام کی ہے اور نہایت مجرب ہے۔

۱۸- جو شخص اذان کے بعد حسب ذیل دعا پڑھتا ہے، اسکی یہ دعا قبول کرلی جاتی ہے، اور قیامت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اسکو میسّر ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ ۞

۱۹- جو شخص عام مومنین و مومنات کے لیئے ہر دن میں ۲۷ یا ۲۵ بار استغفار کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں داخل کردیا جاتا ہے جنکی دُعا مستجاب ہے اور جنکی برکت سے اہل زمین کو روزی عطا ہوتی ہے۔

اجابت دُعا کے علامات

۱- ڈر لگنا۔ خوف معلوم ہونا قلب پر غیر معمولی ہیبت کا طاری ہونا۔

۲۔ بدن کے رونگٹوں کا کھڑا ہو جانا۔

۳۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا ٹپک جانا

۴۔ ہیبت طاری ہو جانے کے بعد دل میں سکون کا پیدا ہو جانا۔ قلب میں خوشی اور مسرت کا پیدا ہو جانا۔ ظاہر میں طبیعت کا ہلکا ہونا ایسا محسوس ہونا کہ مجھپر ایک بوجھ تھا جو اُتر گیا۔

جب دعا مانگنے والے پر اس قسم کی کیفیت طاری ہو تو حضرت حق جل مجدہ کا شکریہ ادا کرے خدا کی حمد بیان کرے اللہ کی راہ میں صدقہ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب کسی شخص کو اپنی دُعا کی قبولیّت معلوم ہو، یا کسی بیمار کو شفا حاصل ہو یا کوئی غائب، اور مفقود الخبر سفر سے واپس آجائے۔ تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ وَ بِنِعْمَتِہٖ الصالحات۔

دعا کے متعلق ابھی اور چند گوشے بھی باقی ہیں۔ جو مزید تطویل و تفصیل کے محتاج ہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ جسقدر لکھدیا گیا ہے وہ بھی عام مسلمانوں کے لئے کافی ہے، خداتعالیٰ مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء
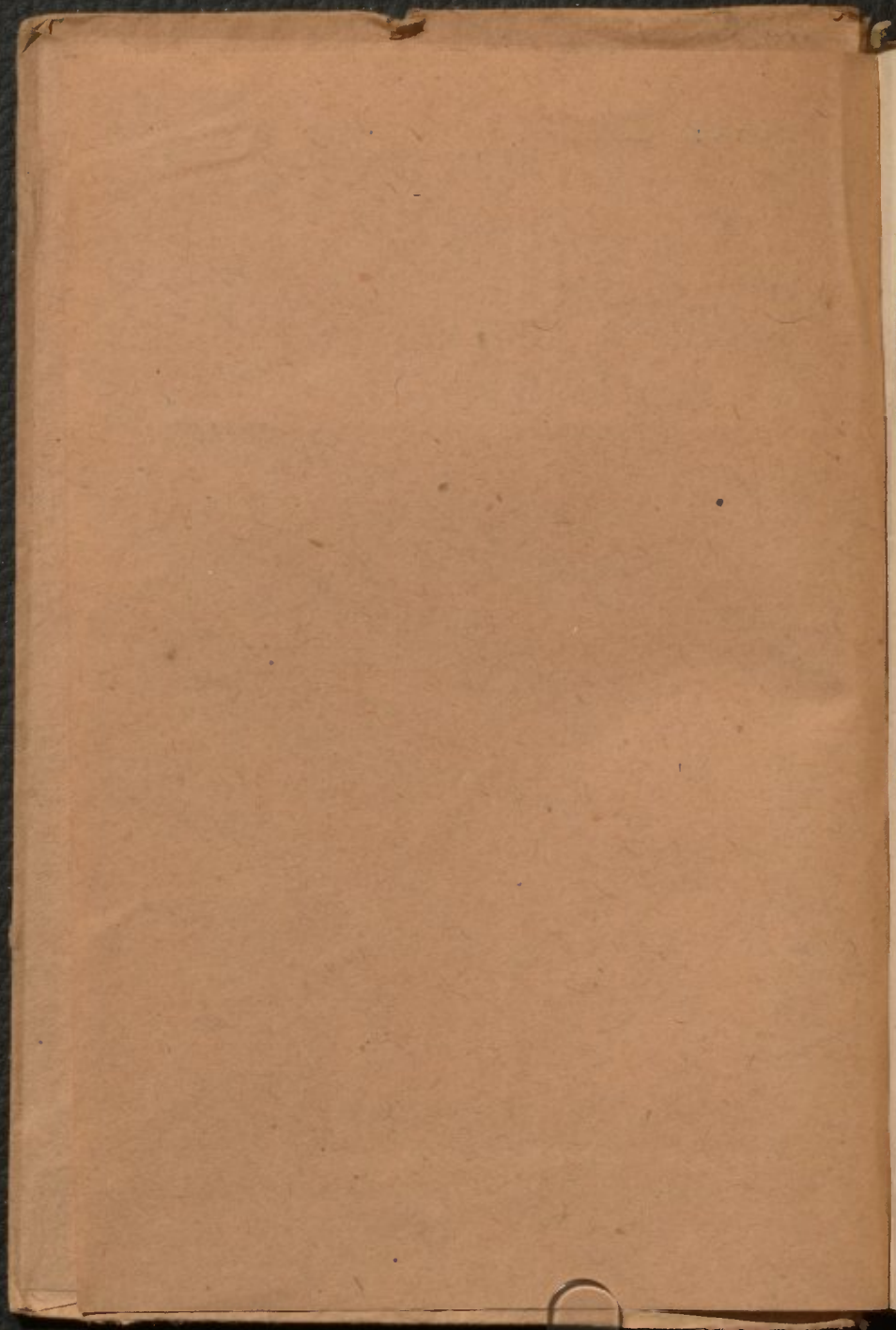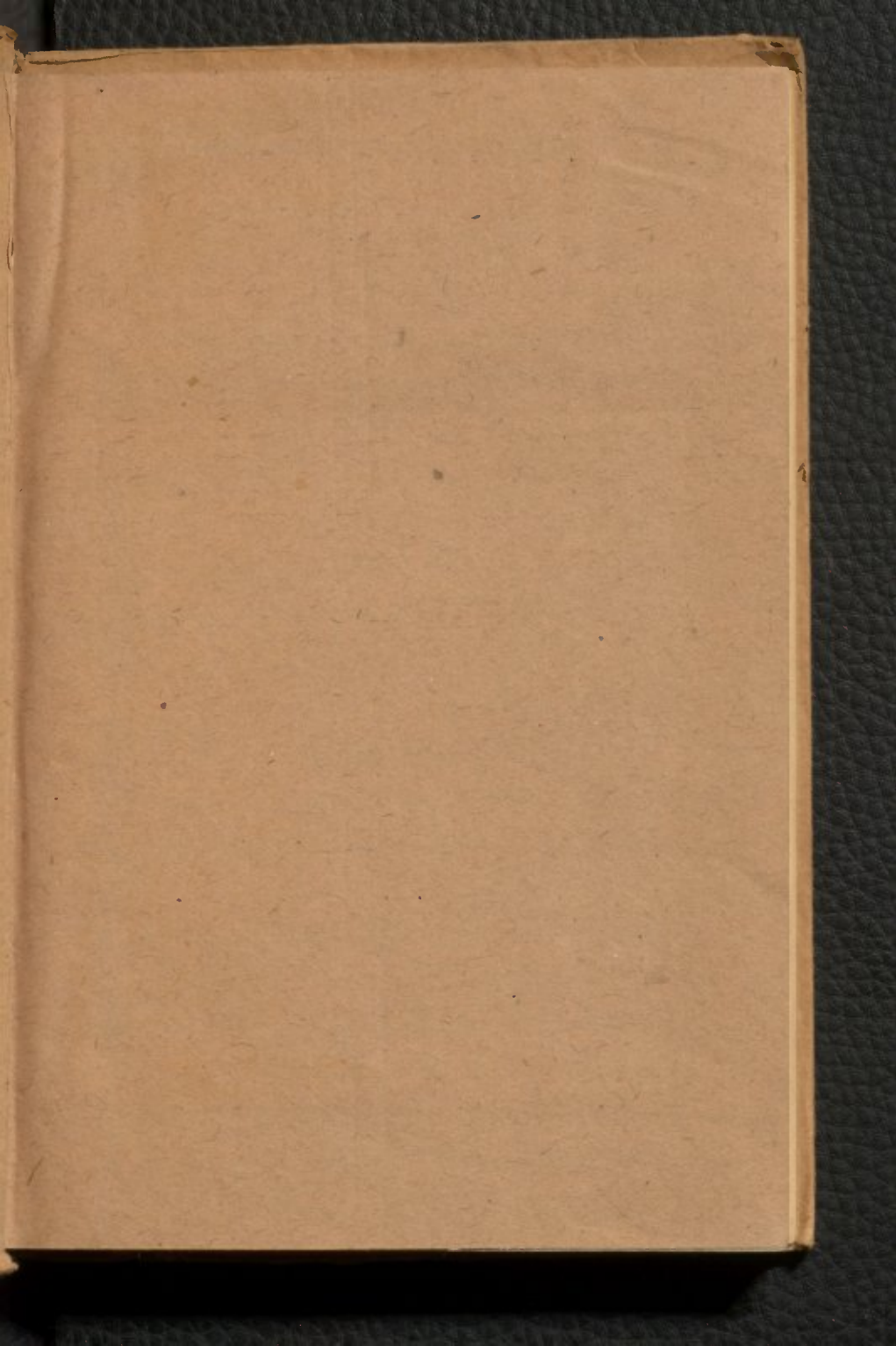
من کی باتیں

یہ حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیت علماء ہند کا ان بہت سی دلچسپ سیاسی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ جو آپ نے نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کہیں اور اس میں بہت سی تق[illegible] یہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے زمانہ کی ہیں۔

جبکہ ہندوستان کے لیڈران جیل کی تنگ اور تاریک کوٹھریوں میں اپنی زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ اور حکومت کی طرف سے عوام پر تشدد کیا جا رہا تھا۔

اور حکومت یہ سمجھ رہی تھی کہ آزادی تحریک کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائیگا مگر خدا کا شکر ہے ہندوستان اب آزادی کی منزل سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ ہندوستان اپنے ملک کی باک ڈور خود اپنے ہاتھ میں لے گا۔ اور دنیا دیکھے گی کہ یہ پراپیگنڈا جھوٹا تھا کہ ہندوستان میں آزادی لینے اور اس کے چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ حضرت مولانا کی اپنی تقاریر میں یہ بتایا ہے کہ عدم تشدد ہی کے ذریعہ سے آزادی حاصل کی جا سکتی ہے جبکہ خود اپنے ہاتھ میں طاقت نہ ہو۔

ایک تقریر اس وقت کی ہے جبکہ بہار میں زلزلہ آیا اور ہزارہا انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا۔

آپ نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں بتایا ہے یہ زلزلہ کیا ہے۔ کیوں آتا ہے زلزلہ کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیئے تاکہ زلزلہ کی مصیبت سے نجات ملے۔ اور آپ نے یہ بھی بتایا ہے قرآن شریف اس کے متعلق کیا کہتا ہے اور موجودہ سائنس داں کیا کہتے ہیں۔ آپ نے بتایا ہے جو انبیا علیہم السلام اور قرآن شریف کہتا ہے۔ بس وہی ٹھیک اور حق ہے بہرکیف آپ کی ہر ہر تقریر پڑھنے کے قابل ہے۔ اگر آپ حضرت مولانا کے تحریر آزادی کے متعلق خیالات معلوم کرنا چاہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ **من کی باتیں** منگا کر ملاحظہ فرمائیں۔